

اللہ میاں

بشری رحمن

ماں کے دل کا احترام کرنے والے  
ماں کے پھیلے ہاتھوں کی لاج رکھنے والے  
تیرے نام!

*One Urdu Forum . Com*

”تیرا بحر پر سکوں ہے یہ سکوں ہے یا فسوں ہے  
نہ نہنگ ہے نہ طوفاں نہ خرابیٰ کنارہ  
نظر آئے گا اسی کو یہ جہان دوش و فردا  
جسے آگئی میسر میری شوخی نظارہ!“  
اقبال

One Urdu Forum . Com



”لے آئے اس چھو کری کو؟“  
بڑی ماں نے اندر سے نکلے ہی بڑی خستہ سے پوچھا، اور اسجدان کے  
اس غیر متوقع انداز پر بھنسا گیا۔ کچھ کہنے کے بجائے اُس نے صرف اثبات میں سر  
ہلا دیا، اور سامنے کرسی پر بیٹھی فلورا کی طرف معذرت طلب نظروں سے دیکھا۔ فلورا  
گھبرا کر جھٹ کھڑی ہو گئی۔ بڑی ماں کے پوچھنے کے انداز نے اس پر گھڑوں پانی ڈال  
دیا تھا۔ شرمندگی کی ایک ٹھنڈی لہر اس کے سارے جسم میں دوڑ گئی۔ یہاں لوگ اس کو  
کتی ”تھیرتے“ سمجھتے ہیں۔

”چھو کری“ واہ کیا پوچھنے کا انداز تھا۔

بڑی ماں نے ایک نگاہ غلط انداز اس پر ڈالی اور واپس مڑتے ہوئے بولیں:

”میں ابھی آتی ہوں!“

ان کا یہ انداز اسجد کو پہلے سے بھی برا لگا۔ حالانکہ انہیں علم تھا کہ وہ آج فلورا کو  
ان سے بلانے لارہا ہے۔ مگر انہوں نے کیسا خشک رویہ اختیار کر لیا تھا، جیسے انہیں  
کچھ یاد ہی نہ ہو۔ اور جیسے اس معمولی چھو کری کے علاوہ دنیا میں اور بہت سے اہم کام



ہوں جنہیں نمناوا وہ بہت ضروری سمجھتی ہیں اور جب وقت ملے گا وہ آکر اس سے ڈی باتیں کر لیں گی۔ یادو سرے لفظوں میں انہوں نے فلور کے حق میں ناپسندیدگی کا اظہار کر دیا تھا اور اپنے رویے سے صاف ظاہر کر دیا تھا کہ وہ اسے اپنے خاندان کا فرد بنانے پر بالکل تیار نہیں ہیں۔ بزرگوں کا یہ رویہ تو نہیں ہونا چاہیے۔ اگر خاندان کے بزرگ ہی اچھے اخلاق کا مظاہرہ نہ کریں گے تو پھر اور کین کرے گا۔ اور پھر جبکہ ہم مسلمان ہیں۔ ایک دوسرے مذہب کی لڑکی کے ساتھ ایسا برتاؤ کر کے اس پر کیا ظاہر کرنا چاہتے ہیں؟

اسجد لپک کر بڑی ماں کے پیچھے چلا گیا اور فلور اسہمی سکڑی شرمندگی سے شزا بڑا اپنی جگہ پر کھڑی رہ گئی۔ شکر ہے اس وقت برآمد سے میں کوئی نہیں تھا۔ ورنہ اسے اپنی خفت مٹانے کا موقع بھی نہ ملتا۔ کافی دیر کھڑی وہ اپنے پاؤں کے انگوٹھے کو زمین پر مسلتی رہی۔ پھر پیش کرسی پر بیٹھ گئی۔ اگر بیٹھ نہ جاتی تو یقیناً گر جاتی۔ کیونکہ ماں سے غصے کے اُس کی ٹانگیں لرز رہی تھیں۔ جب غصے کو دبانا مصلحت ہو تو پھر سائے جسم پر اس قسم کا لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔

دانتوں سے ہونٹ کاٹ کاٹ کر اُس نے لہو لہان کر لئے تھے، اور ذرا ذرا دیر بعد اس کا دل بڑی طرح دھڑکنے لگا۔ کبھی اس کا دل چاہتا۔ یہیں سے اٹھ کر باہر بھاگ جائے اور پھر کبھی ادھر کا رخ نہ کرے۔ پھر دل اُسے سمجھانے لگا۔

اگر وہ بھاگ جاتی تو اسجد اُس کے باسے میں کیا سوچتا۔ اور گھر والے بھی اسے طعنے دیتے کہ کسی لڑکی کو وہ لایا تھا۔

اسے معلوم تھا کہ ابھی اس کا شعلوں سے سامنا ہو گا۔ اور سامنا کرنے کے تصور سے ہی وہ گھبر رہی تھی۔ حالانکہ کئی دن سے اسجد برابر اسے سمجھا رہا تھا اور آنے والے حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے اسے ذہنی طور پر تیار کر رہا تھا۔ اس نے اپنے خاندان کے بارے میں اُسے سب کچھ بتا دیا تھا کہ بڑی ماں غصے کی بڑی زہری ہیں۔ بال کی کھال اتارتی ہیں، تند ہیں، سخت گیر ہیں۔ لیکن اگر مہربان ہو جائیں تو دنیا میں ان سے اچھا کوئی نہیں۔

مہربان ہوں تب نا۔

وہ تو اسے انتہائی مغرور، بددماغ اور کھردری بڑھیا لگ رہی تھیں۔

انہوں نے تو ٹھیک طرح سے اس کی جانب دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا تھا۔

لیکن کیا کیا جاتے، مجبور ہی تھی، گھر کی باگ ڈور بڑی ماں کے ہاتھ میں تھی، جب تک

وہ کسی پر مہربان نہ ہو، تقدیر مہربان نہیں ہو سکتی تھی۔ اور ان کی مہربانی کا بن کہاں فٹ تھا

وہ فلور نے جانتی تھی۔ یوں پہلی نظریں انہیں دیکھ کر وہ کافی خوفزدہ ہو گئی تھی اور ابھی سے اس کے پاؤں اکھڑ رہے تھے۔

واہ اس نے تو اسجد کے آگے دعویٰ کیا تھا کہ وہ ثابت قدم رہے گی۔ کبھی بوجی ثابت

نہ ہوگی۔ اس میں اگر اتنی خود اعتمادی نہ ہوتی، اپنے عشق پر یقین و اتنی نہ ہوتا تو پھر اس آگ

میں کیوں کود پڑتی۔ اب جبکہ اس نے اتنا بڑا فیصلہ کر لیا تھا۔ پیچھے ہٹنا مردانگی نہیں تھی۔

سوچ رہی تھی۔

نہ جانے کتنی بار اس گھر میں اس کی انا کو کچلا جائے گا۔ اس کی خود داری کا خون کیا جائے

گا۔ بار بار اس کے پنڈار کو ٹھیس پہنچانی جائے گی۔ گرم خون جانے کس وقت کیا کر بیٹھے۔

یسوع مسیح! میری مدد کر۔

مجھے بھی اب سولی کی جانب لے جایا جا رہا ہے۔

او۔ سب کی مدد کرنے والے، میری بھی مدد کر۔

گلے میں ڈالے ہوئے صلیب والے لاکٹ کو تھام کر وہ دل ہی دل میں دعائیں کرنے

لگی۔



کی، پھر ان کی پیشہ ورانہ مہارت کی مقدموں پر محنت کرتے تھے۔ محلے سے نکل کر ان کا نام شہر میں گونجنے لگا۔ تب بڑے بڑے لوگ ان کے پاس آنے لگے۔ انہوں نے اسی محلے میں ایک بڑا گھر کرائے پر لے لیا، اسی میں ایک دفتر سجایا۔ دروازے پر موڑا لگی۔ یہ وہ دن تھے، جب قدسیہ بی بی نے گھر کا آرام و عیش زندگی میں پہلی بار دیکھا اچھا کھایا، اچھا پہنا۔ بچوں کو بہترین اسکولوں میں داخل کیا، جی بھر کر سنسی اور اپنی بھتیجی جوانی کو کپڑے و زیور سے حرارت مہیا کی۔

دیکھتے دیکھتے وکیل صاحب کا نام سارے ملک میں گونجنے لگا۔ قدسیہ بی بی بڑے بڑے خواب دیکھنے لگی۔

ماتر اللہ بچے جوان ہو رہے تھے۔ روز میاں سے تقاضا کرتی کہ اپنا ایک بنگلہ بنوائیں، کب تک کرائے کے مکان میں رہیں گے، کرائے کے گھر شہرت کی راہ میں ٹال ہوتے ہیں۔ سوچتے تو وکیل صاحب بھی ہی تھے، مگر انہیں اپنے مقدموں سے ہی فرصت کہاں تھی کہ گھر بناتے۔

ویسے شہر میں ان کی اتنی زیادہ واقفیت نہ گئی تھی کہ اگر کسی کو ذرا سا اشارہ بھی کر دیتے تو وہ مکان کے لئے زمین مہیا کر دیتا۔ مگر وہ اصولی طور پر دستوں کے احسان لینا پسند کرتے تھے۔ بس یہی کہتے۔

”ذرا فرصت ملنے دو، تمہارے لئے زمین کا ایک ٹکڑا خرید دوں گا۔ پھر بیٹھی خود ہی مکان بناتی رہنا۔“

دیئے بھی بڑے مہمان نواز اور سخی تھے، پیسہ کبھی ان کی ہتھیلی پر نہ ٹکتا تھا۔ بس قدسیہ بی بی کے ہاتھ میں جب پیسے آتے تو وہ زیورات کی شکل میں انہیں پس انداز کر دیتی۔ کیونکہ وہ جانتی تھی، گھر میں پیسہ ہوا تو وکیل صاحب وہ بھی خرچ کر دیں گے۔ ان کے محل نظر پانچ بیٹیاں تھیں۔ کچھ تو پس انداز کرنا تھا۔

بڑی ماں کی کہانی زندگی کی کہانی تھی۔

عرصہ ہوا ایک وکیل صاحب بچوں کے ایک لشکر کے ساتھ اس شہر میں اترے تھے، ددیٹے اور پانچ بیٹیاں، ایک جوان بیوی۔

فہمت کے ہاتھوں ہر طرف سے مار کھا کر انہوں نے اپنا شہر ہی چھوڑ دیا تھا۔ اول نئے سرے سے فہمت آزمائی کے لئے اس شہر کا انتخاب کیا تھا۔ عزیزوں دوستوں کے ٹھکرانے ہوئے تھے۔ بالکل اجنبی مقام پر رہنا چاہتے تھے۔ یہاں انہوں نے ایک محلے میں ایک چھوٹا سا مکان کرائے پر لے لیا اور باہر اپنے نام کی تختی لگا دی۔ ضرورت مند آنے لگے۔

یوں زندگی کی گاڑی چل پڑی، بس چلنے کو ایندھن ہی میسر آتا تھا، کبھی دوسرے سودگی نصیب نہ ہوتی، اللہ تبارک و تعالیٰ، خرچ چلتا رہتا، کیونکہ وکیل صاحب بہت ہی نیک نفس اور خدا ترس آدمی تھے۔ غریبوں کے مقدمے کم فیس پر اور بعض اوقات مفت بھی بھگتادیتے۔ کوئی بقایا پیسے مار جاتا تو تقاضا نہ کرتے۔ اس سے کوئی اور فائدہ ہوا ہوا یا نہ ہوا ہوا، اتنا ضرور ہوا کہ محلے میں وکیل صاحب کی دھاک بیٹھ گئی۔ پہلے انکی شریف النفسی



انہی دنوں ایک زبردست کس وکیل صاحب کے پاس آیا، موکل چونکہ بے گناہ تھا، اس لئے اس کے کس پر وکیل صاحب نے اتنی محنت کی کہ دن رات ایک کر دیا۔ سچی کہ بعض اوقات انہیں کمانے کا بھی ہوش نہ رہتا، تمام شہادتیں اس کے خلاف جاتی تھیں۔ اس کا دشمن بہت ہی زور آور تھا۔ ایک عرصہ سے مقدمہ بازی کر رہا تھا۔ اس لئے اپنا سب کچھ پہلے مقدموں میں ہار چکا تھا۔ اس کی آخری آس یہ وکیل صاحب رہ گئے تھے۔

یابارہ ایکڑ کا وہ بے آباد ٹکڑا جو اس نے اس بارونی شہر سے کس دور لے رکھا تھا۔ اور پھر خدا کا کرنا یہ ہوا کہ وکیل صاحب کی محنت رنگ لائی۔ وہ شخص مقدمہ جیت گیا۔ سچی کی فتح ہوئی تو اس نے شکر یہ کے ساتھ وہ ٹکڑا زمین کا وکیل صاحب کے حوالے کیا۔ گو یہ ان کی محنت کے عوض بہت کم تھا۔ مگر اس کے پاس دینے کو کچھ اور تھا ہی نہیں۔ اور وکیل صاحب نے بھی سوچ لیا تھا کہ اسی ٹکڑے پر کبھی نہ کبھی گھر بنالیں گے، ساتھ ایک بہت بڑا آموں کا باغ لگالیں گے اور باقی عمر آرام سے گزار دیں گے۔

قدسیہ بی بی نے جب سنا تو اسے بہت طیش آیا۔ وہ تو اس اتنے بڑے شہر کی کسی خوبصورت ترین کالونی میں جدید طرز کے بنگلے کے خواب دیکھ رہی تھی اور یہ زمین شہر سے اتنی دور تھی کہ وہاں شہری سہولتوں کے علاوہ ابھی بجلی اور پانی کا بندوبست بھی نہ ہوا تھا۔ بس اسی چرچ چرچ میں ان کا مکان نہ بن پاتا، وکیل صاحب کہتے :

"نیک بخت، شہر کو بڑھانے کی اسکیم زیرِ غور ہے۔ اسی جگہ ایک نئی کالونی بنانے کی تجویز ہو رہی ہے۔ تم پہلے وہاں گھر بنا کر دیکھو کئی لوگ وہاں آجائیں گے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس زمین کے دام بھی چڑھ جائیں گے"

مگر وہ کہتی :  
"نہ بابا! مجھے اس بنگلے بیابان میں رہنا منظور نہیں، شہر سے دُور ملنے جلنے والوں سے دُور بچوں کے اسکول و کالج سے دُور، مجھے کیا پڑی ہے، میں الگ تھلگ ایک دیرانے

میں جا کر بیٹھ جاؤں اور لوگوں کے آنے کا انتظار کروں، اس زمین کو بیچ دو اور مجھے اہلکشان کالونی میں چاہتے تھوڑی سی زمین لے دو"

یہی بات بس ان دنوں میں تنازعہ کا باعث بنتی تھی۔ درنہ وہ میاں بیوی جیسے بس ایک دوسرے لئے بنے تھے۔ قدسیہ بی بی تو جیسے انہیں دیکھ کر جیتی تھی اور گھر میں ہر طرح کا آرام انہیں پہنچا رکھا تھا۔ اگر وہ اپنی صحت کی طرف سے لاپرواہی برتنے لگتے تو وہ ان کے پیچھے پڑ جاتی۔ دراصل وکیل صاحب نے بھی اتنی شہرت قدسیہ جیسی شریک حیات کے تعاون سے ہی حاصل کی تھی، جس نے گھر کی ہر قسم کی سرور دی سے انہیں دور رکھا ہوا تھا پیسے دینے کے علاوہ انہیں گھر سے کوئی سروکار نہ تھا۔ ان کی تمام تر زندگی صرف اپنے پیشے کے لئے وقف ہو کر رہ گئی تھی۔

پیشے کا عشق جب تیشہ بن گیا تو ایک دن وکیل صاحب بہت بار بیٹھے۔ دل کا ایسا زبردست دورہ پڑا کہ پھر نہ اٹھ سکے، پہلے حملے میں ہی قدسیہ بی بی کی ساری تیمار داریاں وفا شعاریاں اور محبتیں ٹھکرا کر وہ خالی تھکتی سے جا ملے۔

غم کا آسمان جب اس طرح کسی کے سر پر پھٹ پڑتا ہے، تو وہ بولکھلا جاتا ہے۔ اپنے تمام تر غم اور صدمے کے باوجود ان پڑھ قدسیہ بی بی نے تدبیر اور فراست کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا، یہ جان کر اسے اور بھی صدمہ ہوا کہ اس کے شوہر نے نقدی کی صوت میں کوئی رقم نہ چھوڑی تھی بس وہی اثاثہ تھا جو اس گھر میں کسی نہ کسی صورت میں موجود تھا۔

سات بچے تھے، ان کی تعلیم اور شادیوں کا خرچہ تھا۔ سفر بہت طویل تھا اور زادراہ بہت کم۔

چھ ماہ تک تو قدسیہ بی بی گھر بیٹھی کھاتی رہی۔ بچوں کو کھلاتی رہی، لیکن پھر سوچ میں پڑ گئی۔ اگر سر پر کمانے والا نہ ہو تو جمع شدہ آمدنی کو پُر لگ جاتے ہیں۔ پھر جو برکت مرد کی کھائی میں ہے، کسی پیسے میں نہیں ہے۔

One Urdu Forum . Com



بڑا لڑکا جمالیوں انجینئرنگ کے آخری سال میں تھا۔ دسرا لڑکا فریدوں میٹرک میں پڑتا تھا۔ عالم آراء نویں جماعت میں تھی۔ انجمن آراء آٹھویں میں، زینت آراء ساتویں جماعت میں، محل آراء چھٹی جماعت میں اور اول آراء پانچویں جماعت میں۔  
منزلین کی منزلیں سامنے پڑتی تھیں۔

وہ کیا کرے اور کیا نہ کرے، سوچ سوچ کر تھک گئی تھی۔

اب تو مہر دئی کرنے والے اور شو سے دینے والے بھی اپنا اپنا فرض ادا کر کے ادھر ادھر ہو گئے تھے۔

کشتی کا تاج نہ رہے تو پھر کون اس کشتی کی فکر کرتا ہے ڈوبے یا اُبھرے۔ ہر آدمی اپنے اپنے حالات کے چپو تھاٹے اس بحرِ خاں میں دست خیز ہے اتنے بچوں کا بوجھ باپ کے سوا کون اٹھا سکتا ہے۔

آخر کوئی تو سبیل کرنی پڑے گی، جمالیوں کو تعلیم چھوڑ کر نوکری کرنے کی وہ اجازت نہ دیتی تھیں۔ اس ادھوری تعلیم سے نوکری بھی کیا ملے گی، دو چار سو سے تو یہ گاڑی نہ چل سکتی تھی۔

انہی دنوں حکومت کی نئی اسکیم پاس ہو گئی اور شہر کے باہر ایک نئی کالونی کے لئے زمینیں فروخت ہونے لگیں۔ قدسیہ بی بی کی زمین کے بھی بے شمار گاہک آنے لگے پہلے اُس نے سوچا کہ وہ چار کنال زمین اپنے گھر کے لئے رکھ کر باقی کی زمین چھوٹے ٹھونڈے ٹکڑوں میں بانٹ کر بیچ دے۔ جس سے اچھی خاصی رقم مل جائے گی اور وہ اپنے کسی لڑکے کو کاروبار میں لگا دے گی۔ کافی دنوں کی سوچ بچار کے بعد اس نے وکیل صاحب کے ایک قریبی دوست سے جو کہ خود بھی وکیل تھے، مشورہ مانگا۔ ان کا مشورہ اسے بہت پسند آیا، اور سو مند بھی نظر آیا۔

اسی زمین کو بینک کے پاس رہن رکھ کے قدسیہ بی بی نے پچاس لاکھ روپے قرض لے

لئے۔ دیانند لڑکوں کا تعاون حاصل کیا اور زمین کے آمدیے حصے پر ایک بہت بڑی مارکیٹ بنوانی شروع کر دی۔ نیچے تقریباً پچاس دکانیں تھیں اور اُن کے اوپر دو منزلہ اور دو منزلہ قیٹ تھے۔ اسی دوران کالونی میں ہر طرف سے تعمیر شروع ہو گئی اور دوکانوں کے طلب گاران سے رجوع ہوتے۔ انہوں نے بھی پانچ پانچ سال کا ایڈوانس لے کر دوکانیں کرائے پر چڑھانی شروع کر دیں۔ اس طرح جو رقم اکٹھی ہوتی۔ اس سے انہوں نے چھ کنال کے ٹکڑے پر ایک خوبصورت اور جدید سہولتوں کا محل بنانے اور باقی زمین دو دو کنال کے ٹکڑوں میں تقسیم کر کے اس پر چھوٹے چھوٹے بیگے بنانے شروع کر دیتے۔ جوں جوں ان کے گھر اور قیٹ تیار ہوتے گئے، کرائے پر چڑھتے گئے۔

اب تو یہاں آبادی کے آثار پیدا ہونے لگے تھے۔ شہر سے نئی سڑکیں یہاں لائی گئیں۔ نئے اسکول، کالج اور ہسپتال تعمیر ہونے لگے۔ بچوں کے لئے پارک اور تفریباں بننے لگیں۔ اتنی سرعت سے یہ کالونی تعمیر ہوتا شروع ہو جانے لگی۔ قدسیہ بی بی نے کبھی یہ سوچا ہی نہ تھا۔ سب لوگوں نے مل جل کے ان کی مارکیٹ کا نام قدسیہ مارکیٹ رکھ دیا پھر رفتہ رفتہ پوری کالونی ہی قدسیہ کالونی کے نام سے مشہور ہو گئی۔

جب تک قدسیہ بی بی نے بینک کا تمام قرضہ بچہ سود نہیں ادا دیا۔ وہ قدسیہ کالونی اپنے گھر میں رہنے کے لئے نہیں آئیں۔ اپنا گھر بھی انہوں نے کرائے پر لگا دیا تھا۔ پانچ سال میں اس نے بینک کا تمام قرض ادا کیا۔ اتنے عرصے میں کالونی بھی مکمل ہو چکی تھی۔ سب وہاں خوب چل چلی ہو گئی تھی بلکہ ایک چھوٹا سا خوبصورت سا شہر لگتی تھی۔

قدسیہ بی بی ہر نماز کے بعد اپنے شوہر کی اس نیکی پر انہیں ثواب پہنچاتی جو انہوں نے زمین کا یہ ٹکڑا لے کر کی تھی، جس کو ہمیشہ وہ فضول کہتی رہیں۔ مصیبت میں وہی ٹکڑا کام آیا۔ تنگی کے دنوں میں ہی ان کی بڑی دو لڑکیوں عالم آراء اور انجمن آراء نے جب میٹرک کر لیا تو انہوں نے سیدھے سادے طریقے سے انہیں بیاہ دیا۔ اچھے دنوں کے انتظار



اور ایسے کھردرے پن سے بات کرتیں کہ مخاطب چکر اجاتا۔ بات کرنے میں وہ کڑک، دمک ہوتی کہ بے حوصلہ آدمی کے چھکے چھوٹ جاتے، جہاں کوئی بات بڑی لگتی، کھری کھری سنا دیتیں۔ ناجائز کو ہمیشہ ناجائز کہتی تھیں۔ خوشامد کو ناپسند کرتی تھیں۔ حتیٰ کہ اپنے بچوں کے ساتھ بھی ان کا یہی رویہ تھا۔ جو لوگ ان کی فطرت کو سمجھتے تھے، ان کے کہنے کا برا نہیں مانتے تھے اور جانتے تھے، جس نے بھی بڑی ماں کی ڈانٹ کھائی، مراد پائی، ان کے پیار کا انداز ہی شاید کھردرا ہو گیا تھا۔

اس میں ان کا قصور بھی نہیں تھا، انہوں نے زندگی میں بہت سختیاں سہیں اور ایسے ایسے نشیب و فراز دیکھے کہ انہیں سچ کو سچ کہنا اور جھوٹ کو جھوٹ سمجھنا آ گیا تھا۔ منہاقت سے وہ کوسوں دور تھیں۔ پھر ان کے تدبیر کے آگے کسی کی چلتی بھی نہیں تھی۔ اس لئے ان سے خوف کھانے کے باوجود لوگ انہیں پسند کرتے تھے۔

بادی النظر میں تو وہ ایک کامیاب خاتون تھیں اور زندگی کے مسائل کو اپنی گرفت میں لے رکھا تھا، لیکن ان کے سینے میں گہرے گہرے گھاؤ اب بھی رستے تھے۔ بڑی لڑکی انجن آرہ ہمیشہ ان سے سفارہتی تھی، اس لئے میسے آنا جانا بند کر رکھا تھا، وہ کہتی تھی۔

اماں نے زبردستی مجھے غریب گھرانے میں بیاہ دیا، گاؤں کا ماحول اس پر بد صورت شوہر، اماں کو مجھ سے کیا بیر تھا؟

اس کی اس بات پر بڑی ماں کا دل دکھتا تھا، ہر طرح اس کی مدد کرتی تھیں، اس کے نام پر انہوں نے جو گھر بنایا تھا، اس کا کرایہ ہر ماہ اسے بھجواتیں، اس کا ایک ہی بیٹا تھا، بلال، جس کو انہوں نے اپنے پاس رکھ چھوڑا تھا، اب ایم۔ ایس سی کر رہا تھا۔ بڑا فرمانبردار اور خلیق بچہ تھا، بیٹی ناراض رہتی تھی۔ مگر بیٹے کو نانی کے پاس چھوٹنے پر راضی تھی۔

میں لڑکیوں کی عمر سچتہ ہو جاتی۔ عالم آراہ کو تو انہوں نے اپنے دور پار کے غریب سے رشتہ داروں میں، جو گاؤں میں رہتے تھے، بیاہ دیا تھا۔ اور انجن آرہ کے لئے اسی شہر کے ایک معزز گھرانے کا پیغام آیا تھا۔ اس کو وہاں بیاہ دیا تھا۔

باقی تین لڑکیوں کی شادیاں بھی انہوں نے میٹرک کرنے ہی کر دی تھیں۔ مگر کالونی والے گھر میں آکر ان کو ہمیشہ بھی بہت مناسب دیا۔ اور ان کے لئے بڑے گھرانوں سے رشتے آتے ہو قبول کر لئے گئے۔

بڑا لڑکا ہمایوں انجینئر بن چکا تھا، مگر اس کے مزاج میں انسانوں تھا کہ ٹیک کر ایک جگہ نوکری نہیں کرتا تھا۔ چھوٹا لڑکا فریدوں البستہ پائلٹ بن چکا تھا اور اپنا نوکری پر تباہ تھا۔ قد سیب بی بی ابھی عمر کی اس حد میں داخل نہیں ہوتی تھیں کہ لوگوں نے انہیں "بڑی ماں" کہنا شروع کر دیا تھا۔ شاید اس لئے بھی کہ وقت سے پہلے ان کے بال سفید ہو گئے تھے۔ چہرہ زندگی کی آرزوؤں سے عاری ہو گیا تھا۔ یا پھر حالات کی سختی ان کے سر پہ سے جھانکنے لگی تھی۔

اس کے علاوہ ایک اور بات بھی تھی۔ "بڑی ماں" سب کا ملو وا تھیں، گودہ ایک سخت گیر حاکم تھیں۔ مگر گرائے داروں کے دکھ سکھ میں برابر کی شریک رہتیں۔ کراہی قبول کرنے میں کسی قسم کی بے اصولی کو وہ پسند نہ کرتی تھیں۔ مگر غریب کراہی داروں کو ضرورت کے وقت قرضے بھی دیتی تھیں۔ ان کے بچوں کی شادیوں پر دل کھول کر مدد کرتیں۔

انہوں نے غریب اور لائق بچوں کے وظیفے لگا رکھے تھے۔ حتیٰ کہ انہیں اعلیٰ تعلیم کے لئے ملک سے باہر بھیجتی تھیں۔ ہسپتالوں اور مسجدوں کو فنڈ دیتی تھیں۔ یتیموں اور مسکینوں کے الگ ماہانے مقرر کر رکھے تھے اور غریب رشتہ داروں کی ہر طرح بھر گیری کرتیں اور اس طرح مدد کرتیں کہ انہیں محسوس تک نہ ہوتا۔

گو طبیعت کی وہ سخت گیر تھیں۔ بعض اوقات تو بڑی تند خوئی سے پیش آتیں۔



ہمایوں ان کا بڑا بیٹا ہمیشہ ان کے لئے مسئلہ بنا رہا۔ بڑا ہونے کے ناطے لاڈ لاجبی تھا۔ گھر میں ہمیشہ اس کی مانی جاتی تھی۔ گو بڑی ماں کافی سخت گیر تھیں، مگر اس کے معاملے میں اکثر بے بس نظر آتیں۔

خصوصاً باپ کے رنے کے بعد سے تو وہ بالکل بے قابو ہو گیا تھا۔ اپنی تعلیم کے دوران ہی ایک بار وہ سوات گیا تھا تو واپسی پر ایک پہاڑی لڑکی کو دلہن بنا کر لے آیا۔ جن دنوں بڑی ماں بنکوں کو قرض کی درخواستیں لکھواتی پھر رہی تھیں۔ ایک ایک سے مشورے کی بھیک مانگ رہی تھیں، ولیعہد صاحب نے یہ گل کھلایا تھا۔ چونکہ شادی کر کے لے آیا تھا اس لئے بڑی ماں بچہ نہ کہہ سکیں بلکہ بھوکے کھینچے سے لگا لیا۔ پہاڑی لڑکی فطرتاً نیک تھی اور بلا کی حسین تھی۔ جلدی گھر میں بڑی ماں کو لیک اچھا معاون مل گیا۔ اس کے ہاں اوپر تلے دو لڑکے ہوئے، بڑے پیارے پیارے، شہزادوں ایسے، احد اور اسجد۔ احد کی شکل اپنی ماں پر تھی اور اسجد بالکل اپنے دادا جیسا تھا۔ اس لئے بڑی ماں نے اس کو گود لے لیا۔

ہمایوں میاں سدا کے عاشق مزاج تھے، اس لئے کبھی اس نازک اندام پر ہی بیکر پہاڑی بیوی کو خوش نہ رکھ سکے۔ بالآخر بڑی ماں کی روز روز کی پھینکار سے تنگ آ کر کہیں روپوش ہو گئے۔ کافی عرصہ بعد پتہ چلا کہ سوڈین سدا سے ہیں۔ اور وہاں ایک گلفام سے بیاہ رہ چاکر واپس نہ آنے کا تہیہ کر بیٹھے ہیں۔ بڑی ماں نے بہترے خط لکھوائے دھکیاں دیں مگر کب تک۔ دلہن بے چاری خون ٹھوک ٹھوک کر اللہ کو پیاری ہو گئی اور بڑی ماں نے، ماں اور باپ بن کر احد اور اسجد کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

فریدوں ان کا چھوٹا بیٹا بہت ہی نیک اور فرمانبردار تھا۔ اپنی خوشی سے اس نے پی۔ اے۔ ایف جوائن کیا، کم عمری میں بڑا اچھا پائلٹ بن گیا۔ اپنے سینئر افسر کی بیٹی کو پسند کر بیٹھا، بڑی ماں نے بڑے چاڑ سے جلدی جلدی اس کی شادی کر دی۔ اوپر تلے اس کی دو بیٹیاں ہوئیں، شفق اور انق۔

پھر کرنا خدا کا یوں ہوا کہ ایک ایڑ کریش میں فریدوں بھی بڑی ماں سے منہ موڑ گیا بڑی ماں نے آزمائشوں میں کبھی اُف نہ کی تھی۔ کھینچے پر ہاتھ رکھ کر اس کو دبا دیا تو بس ہاتھ وہیں دھرا رہ گیا اور اپنے اوپر صبر کی چادر تان لی۔

کچھ عرصہ بعد بڑی ماں کا ساتھ فریدوں کی بیوی سنا بھی چھوڑ گئی۔ امیر والدین کی بیٹی تھی اور جوانی بیوگی کی چادر اوڑھ کر نہ گزارنا چاہتی تھی۔ بڑی ماں نے اسے حق بجانب جانا، اجازت دے دی۔ مگر وہ بھی شفق اور انق کو بڑی ماں کی گود میں ڈال گئی، کہ دونوں بیٹیاں اس کے مستقبل میں زنجیر ثابت ہو رہی تھیں۔

پھر ایک روز بڑی ماں کی دوسری بیٹی انجمن آرا ہو اپنے گھر میں راج کر رہی تھی، اچانک بیوہ ہو کر بڑی ماں کے سینے سے آگے، وہاں رہ کر وہ کیا کرتی۔ جہاں سب کچھ تھا، مگر شوہر نہ تھا اور شوہر کے جاتے ہی سب نے آنکھیں پھیر لی تھیں۔ اس کی تین بیٹیاں تھیں، ترانہ نذانہ اور جاناں۔ وہ بھی بڑی ماں ہی کے زیر سایہ پل رہی تھیں۔

یوں بڑی ماں کی گود تو اس زمین جتنی وسیع اور بیکراں تھی۔ ہر بار جب بڑی ماں کے دل کو نئے کمرے سے چر کا لگتا تو ان کی آغوش کچھ اور وسیع ہو جاتی۔ کہتے ہی سیم و سیران کی گود میں سما گئے تھے اور بیواؤں کے سر پر اپنے دست شفقت کی چٹری ڈال رکھی تھی۔ وہ سب کی ماں تھیں۔

کالونی والوں کی بھی۔

فلیٹ والوں کی بھی۔

اپنوں کی بھی۔

غیروں کی بھی۔

اس لئے وہ بڑی ماں تھیں، ان کا بڑا حوصلہ تھا، بڑا دل تھا اور بڑا ہاتھ تھا۔

دینے والا ہاتھ ہمیشہ بڑا ہوتا ہے۔



مگر وہ برابر پانی اور شکر دم کر کے انہیں دے بھی دیتیں۔ مبادا گویوں کا دل بڑا نہ ہو۔ چونکہ دل کی صاف تھیں اس لئے زبان کی کڑوی تھیں۔ وہ بھی کیا کرتیں پے پے صدقات نے انہیں تند خو سا بنا دیا تھا، اتنے پھرے اُن کی سمت دیکھتے رہتے تھے کہ ان کا ظف نہیں مانتا تھا کہ اپنے دکھوں پر آسٹوہا کر انہیں آزرہ کریں، کبھی کسی کا لگہ نہیں کیا، کسی کو بڑا نہیں کہا، کسی بچے کی غیبت نہیں کی، اور بڑی سے بڑی مصیبت میں بھی ذراست اور صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔

ان کی تیسری بیٹی تو پشاور میں رہتی تھی، مگر چھوٹی دونوں جو اسی شہر میں تھیں وہ بھی قدسیہ کالونی میں آگئیں۔ بڑی ماں نے سب بچوں کی زمین الگ کر کے پاس پاس ان کی کوٹھیاں بنا دی تھیں۔ اپنے شوہروں کی خواہش پر وہ بھی اپنے ذاتی گھروں میں آگئی تھیں۔ گوسب لوگ الگ الگ گھروں میں رہتے تھے مگر شام کو سب لوگ بڑی ماں کے گھر آ جاتے تھے، وہاں شام کو بڑی گہما گہمی ہوتی تھی۔ بڑی ماں نئی پودکی لڑکیوں اور لڑکوں پر خوب نظر رکھتی تھیں۔

ان کے نواسے نواسیاں اور پوتے جوان ہو رہے تھے اور وہ سارا وقت انہی کے بارے میں سوچا کرتیں۔ لڑکے تقریباً سبھی چھوٹے تھے سولتے اسجد اور احمد کے داس لئے وہ ان اتنی ساری لڑکیوں کے بارے میں کافی فکر مند رہتی تھیں۔

انہی دنوں کہیں سے گم گشتہ منزل ہمایوں کا خط آگیا۔ ہمایوں کے خط کو بڑی ماں نے یوں کیلجے سے لگایا، جیسے کہ بھڑا ہوا بیٹا اگر ان کے سینے سے لگ گیا ہو۔ انہوں نے ماں سے بہت سی معافیاں مانگنے کے بعد لکھا تھا کہ دوسری بیوی سے ان کا کوئی بچہ نہیں ہوا، اس لئے وہ ہر دم اپنے دونوں بیٹوں کے بارے میں سوچتے رہتے ہیں ان کی تصویریں بھی جاتیں ساتھ ہی انہوں نے بیٹوں

ساری کالونی میں ہر ایک کی خبر لینا ان کا معمول تھا، کوئی بیمار ہو تو عیادت کو جا رہی ہیں، بچے ہونے کی خبر آئی تو تمٹھی میں نوٹ دبا کر چل دیں۔ کسی عزیز چل بسا تو جب تک پُرس نہ دے لیا کھانا حرام سمجھا شادی بیاہ ہے تو ان کی حیثیت کے جوڑے پڑے اور دعاؤں سے سرفراز کیا۔

لوگ باگ ان کو پیروں کی طرح ماننے لگے تھے۔ ان کے صاف شفاف چہرے پر ایک مقدس سی چاندنی بچھی رہتی۔ چہرے کی لکیروں میں نور کی جھلک تھی اور پیشانی پر خراب کا نشان، جلال و دبے میں اضافہ کرتا تھا۔

سر پر سرخ بالوں کا ایک جالا سا بنا رہتا، ان کی آنکھیں بے حد ذہین، شفاف اور کشادہ تھیں۔ آواز بڑی رعب دار، صاف اور بلند تھی۔ جب وہ بڑی خود اعتمادی کے ساتھ بلند آواز میں بات کرتیں تو کوئی اُن کے سامنے نظر نہ اٹھا سکتا۔

شروع دن سے صوم و صلوات کی پابند تھیں بلکہ جوانی میں ہی انہوں نے تہجد اور تعوی اختیار کر لیا تھا، اسی لئے ان کی بات اور دعائیں اثر تھا۔

کالونی کے کچھ ضعیف الاعتقاد لوگ تو پریشانی اور بیماری میں ان سے دم کرنے بھی آنے لگے، اور تو اور، صبح د شام پانی کے جگ اور لوٹے اٹھاتے جاتے نماز کے گرد جمع نظر آتے تاکہ بڑی ماں سے نماز کے بعد پانی دم کر دیا میں اور مریضوں یا بچوں کو پلائیں۔

نظاہر تو وہ ان پر جھلا اٹھتی تھیں۔

”جاہل، بے وقوف، ان باتوں میں کیا رکھا ہے، میں دعا جو کر چھوڑتی ہوں۔“ میں بھی تمہاری طرح انسان ہوں، گنہ گار انسان، کیا رکھا ہے میری بھونک میں منہ اٹھاتے چلے آ رہے ہیں، جاؤ بچے کا علاج بھی کراؤ۔ صرف دم بھونک پر نہ رہو۔“



خواب بکھر گئے۔ ان کی مرضی سے شادی کرنے کی خوشی نہ ان کے میٹوں نے انہیں دی  
 اللہ نہ اب پوتے انہیں دینا چاہتے تھے۔ اس خاندان کے لڑکوں کو کیا بیماری ہے کہ  
 عجیب و غریب حرکتیں کرتے ہیں۔ آخر گھر کی لڑکیوں میں کیا برائی ہے، جو انہیں  
 عین نہیں، یا تعلیم یافتہ نہیں۔ انہیں اسجد سے تو اس قسم کی حرکت کی بالکل  
 امید نہ تھی۔

گھر، برادری، ذات سب سے باہر نکل گیا تھا، اور اپنی ساری زندگی کا حصہ  
 وہ اسجد پر نکال دینا چاہتی تھیں۔ زندگی بھر انہوں نے بچوں سے مات کھائی تھی۔ مگر  
 اب مات کھانے کے موڈ میں نہ تھیں۔ اپنی بات ہر قیمت پر منوانا چاہتی تھیں۔

پہلے تو انہوں نے اسجد کو دھکیا اور ڈرا دے دے کر بازر کھنے کی کوشش  
 کی جب وہ اپنی ضد پر اڑا تو انہوں نے آخری پتہ پھینکا۔

”ایک سید خاندان میں عیسائی لڑکی کا پیوند نہیں لگ سکتا۔“

”جی ہاں! ابلنے دو دو پیوند لگائے، پہلے ایک پہاڑن کا، پھر ایک عیسائی میم کا  
 وہ آپ نے گوارا کر لئے اور اب مجھ پر اتنی سختی کر رہی ہیں؟“

”ہمایوں جب اس خاندان سے نکل گیا تو پھر اس پر میرا کیا اختیار۔ رہی شادیوں کی  
 بات تو تم نے دیکھا نہیں، خدا نے اس کو اس کی سرکشی کی مزادوں بار دی ہے دوسری  
 بیوی میں سے تو اولاد ہی نہیں ہوتی۔ اور جو بچہ میری دلآزاری کرے گا، وہ کبھی سکھ سے  
 مزہ سکے گا۔“

”خدا کے لئے بڑی ماں بد دعا نہ دیں؟“

اسجد نے ان کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

”آپ کے سوا میرا اس دنیا میں کون ہے۔ میں آپ سے اپنی خوشیوں کی بھیک  
 مانگنے آیا ہوں۔ آپ کی مامتا سے فریاد کرنے آیا ہوں۔ آپ کو اپنا بہترین دہرا ڈروٹ

کے لئے دو ہزار روپیہ ماہانہ بھیجنا شروع کر دیا۔

گو بڑی ماں کو اب پیسے کی کوئی کمی نہ تھی۔ مگر انہوں نے بیٹے کا دل توڑنا مناسب  
 نہ سمجھا۔ یوں ماں بیٹا آپس میں خط و کتابت کرنے لگے اور ساتھ ہی باپ بیٹے  
 بھی۔ ان کی جوانی کی تصویریں بھیجی گئیں۔ اہد میاں تو اپنے باپ پر اس قدر لٹو ہوئے کہ  
 بڑی ماں کی سب مہربانیاں بھول کر سو ڈن روانہ ہو گئے۔ بڑی ماں چاہتی تھیں گھر کی  
 لڑکیوں میں سے کسی کے ساتھ اس کی شادی کر دیں، مگر اسے تو بس باہر جانے کی لگی  
 ہوتی تھی یوں جان چھڑا کر بھاگا جیسے شادی نہ ہو کوئی پھندہ ہو۔

ایک لے دے کے بڑی ماں کے پاس اسجد رہ گیا تھا۔ جس نے اس سال انجینئرنگ  
 کا آخری امتحان پاس کر لیا تھا اور مزید تعلیم کے لئے باہر جانا چاہتا تھا۔ مگر چونکہ بڑی ماں  
 کو اپنی حقیقی ماں سمجھتا تھا۔ اس لئے ان کی اجازت کے بغیر جانا بھی نہیں چاہتا تھا۔ انہوں  
 نے شرط رکھی تھی کہ جس دن اسجد شادی کر لے گا۔ باہر چلا جائے گا۔ گھر میں اتنی بے شمار  
 لڑکیاں تھیں۔ بڑی ماں نے دل میں کیا کچھ سوچ رکھا تھا۔ کبھی افق اور شفق کو دیکھتیں، کبھی  
 باقی لڑکیوں کو۔

ایک تو اس موسمے خاندان میں لڑکے پہلے ہی کم تھے اور جو دو ایک اس وقت  
 برس روزگار تھے انہیں باہر جانے کی پڑی ہوئی تھی، کیا دکھا ہے۔ باہر کی دنیا میں  
 جب عزت و آبرو سے روٹی اپنے گھر میں مل سکتی ہے۔  
 باقی سب لڑکے چھوٹے تھے

لڑتے بڑی ماں کی کتنی خواہش تھی کہ جلد سے جلد اسجد کا بیاہ کر دیں۔

ابھی وہ اپنا فیصلہ سنانا پائی تھیں کہ ایک دن اسجد نے اس گھر پر ایک موزنیلم  
 پھینک دیا۔

یہ کہہ کر کہ وہ ایک عیسائی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے، بڑی ماں کے سارے



سمجھ کر زندگی کا سب سے بڑا راز کھچکا ہوں۔ اپنی خواہشوں کے لئے میری زندگی قربان نہ کیجئے۔ دنیا آپ کو سخی ملکہ کہتی ہے۔ اور میری جھولی میں آپ بد عاؤں کے پتھر ڈال رہی ہیں؟

اسجد کی آنکھوں میں سیج میج آنسو آگئے۔

بن ماں کا بچہ تھا، اور کیسے بڑی ماں نے اپنے بڑھاپے کو آسرنے دے دے کر اسے پالا تھا۔

خاموش ہو گئیں، پھر کیا کرتیں، بزرگ مجبور ہو جاتے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد بولیں۔  
 دوہی مشروطوں پر تیری شادی اس لڑکی کے ساتھ ہو سکتی ہے۔ پہلے یہ کہ مسلمان ہو جائے دوسری یہ کہ وہ مجھے پسند آجائے۔

پہلی مشروط تو مان لوں گا اور وہ بھی مان لے گی بڑی ماں، دوسری پلینز مٹالیں اب آپ خواہ مخواہ تعصب میں ہی کہہ دیں کہ لڑکی مجھے پسند نہیں آتی تو میں کیا کر لوں گا۔ اور پھر آپ پسند کر کے کیا کریں گی، کوئی آپ کی شادی تو اس سے ہوتی نہیں؟  
 ”عقل ماری گئی ہے لڑکے تیری“ بڑی ماں نے غصتے سے کہا۔

”میں نے آج تک کبھی منافقت نہیں کی، اور صرف مسلمان ہونے سے کیا ہوتا ہے شادی سے پہلے اس لڑکی کا اٹھنا بیٹھنا بھی ایک مسلمان گھرانے میں ہو۔“  
 ”میں آپ کا مطلب سمجھ گیا ہوں بڑی ماں، اسے آپ کے قدموں میں لے آؤں گا۔“

One Urdu Forum . Com

اور اب جب اسجد اس لڑکی کو لے آیا تھا تو بڑی ماں نے کیسا بڑا برتاؤ اس کے ساتھ کیا تھا۔ یوں حضیڑی نظر اس پر ڈال کر اندر کو چلی گئی تھیں، جیسے انہوں نے کبھی اس لڑکی کو لے کر آنے کو نہیں کہا تھا۔ کیا انہوں نے وعدے کو کابجج کا کھلونا سمجھ رکھا ہے۔

اسجد غصتے سے پیچ و تاب کھاتا ہوا بڑی ماں کے پیچھے لپکا۔  
 وہ بڑی ماں کا احترام بھی کرتا تھا اور ان سے ڈرتا بھی تھا۔ مگر ان کا سر پڑھا بھی بہت تھا۔ ضد پر آ جاتا تو اپنی بات منوا کر رہتا۔ ایک وہی تو تھا گھر میں جو بڑی ماں سے ہر بات بے تکلف کہہ لیتا تھا۔

”بڑی ماں“  
 ”او بڑی ماں“  
 وہ جھلاتا ہوا بڑی ماں کے پیچھے لپکا۔  
 ”کیا ہے؟“  
 انہوں نے مڑ کر غصتے سے کہا۔

واہ۔ اچھا سٹوک کر رہی ہیں آپ، مجھے کہا میں لڑکی کو لے کر آؤں، کیا یہی تھا آپ



کا وعدہ؟

”مجھے اور بھی بہت کام ہیں۔ فارغ ہو کر مل لوں گی۔“  
 ”مجھے معلوم ہے آپ کو اس وقت کوئی ضروری کام نہیں ہے۔ مگر آپ ہم پر اپنا  
 کوئی پرانا وعدہ نکالنا چاہتی ہیں۔“

”لو کے گھاس کھا گیا ہے کیا، کہ بڑوں کے منہ آ رہا ہے۔“  
 ”بڑی ماں، آپ تو اتنی عظیم عورت ہیں، اگر آپ ایسا رویہ اختیار کر سکتی ہیں، تو  
 میں اسے کیا بتاؤں گا کہ ہم مسلمان لوگ کیسے ہوتے ہیں۔ وہ بے چاری تو آپ کی ہر شرط  
 مان کر یہاں آئی ہے۔ والدین کو چھوڑ آئی ہے، مسلمان ہونا چاہتی ہے۔ مسلمان گھرانے  
 میں وہنا چاہتی ہے۔ میں نے آپ کو ایک آئیڈیل مومن عورت کی صورت میں اس کے  
 سامنے پیش کیا ہے، آپ کی عبادتیں اور ریاضتیں کیا ہوتیں۔ وہ اعلیٰ اخلاق کہاں گیا۔ کیا  
 تو مسلم لوگوں کے ساتھ یہ سلوک کرنا روا ہے۔ اگر آپ جیسے لوگ اسے پناہ نہ دیں گے تو  
 پھر وہ کس سے بھیک مانگنے جاتے گی۔ اگر آپ اب بھی اس سے نفرت کرتی رہیں، تو  
 میں سمجھوں گا کہ آپ نے جان بوجھ کر نیکی کے ایک کام سے منہ موڑا ہے اور صرف اپنے  
 تعصب کی وجہ سے ایک انسان کو صراطِ مستقیم پر چلنے سے محروم کر دیا۔“

”بڑی ماں، آپ تو اتنی عظیم عورت ہیں، اگر آپ ایسا رویہ اختیار کر سکتی ہیں، تو  
 میں اسے کیا بتاؤں گا کہ ہم مسلمان لوگ کیسے ہوتے ہیں۔ وہ بے چاری تو آپ کی ہر شرط  
 مان کر یہاں آئی ہے۔ والدین کو چھوڑ آئی ہے، مسلمان ہونا چاہتی ہے۔ مسلمان گھرانے  
 میں وہنا چاہتی ہے۔ میں نے آپ کو ایک آئیڈیل مومن عورت کی صورت میں اس کے  
 سامنے پیش کیا ہے، آپ کی عبادتیں اور ریاضتیں کیا ہوتیں۔ وہ اعلیٰ اخلاق کہاں گیا۔ کیا  
 تو مسلم لوگوں کے ساتھ یہ سلوک کرنا روا ہے۔ اگر آپ جیسے لوگ اسے پناہ نہ دیں گے تو  
 پھر وہ کس سے بھیک مانگنے جاتے گی۔ اگر آپ اب بھی اس سے نفرت کرتی رہیں، تو  
 میں سمجھوں گا کہ آپ نے جان بوجھ کر نیکی کے ایک کام سے منہ موڑا ہے اور صرف اپنے  
 تعصب کی وجہ سے ایک انسان کو صراطِ مستقیم پر چلنے سے محروم کر دیا۔“

”زیادہ باتیں نہ بناؤ؟“ بڑی ماں بالآخر بولیں۔ ”اور مجھے پڑھانے کی کوشش بھی مت  
 کر، عشق میں انسان اتنا کوہنچ جاتا ہے، تب ہر بڑائی اسے اچھائی نظر آنے لگتی ہے  
 لیکن تو نہیں سمجھتا۔ عشق ایک الگ فلسفہ ہے اور شادی ایک جداگانہ عمل ہے۔ شادی  
 کے بعد ہی مذہب کی تبلیغ ہی سب سے بڑی تبلیغ بن جاتی ہے۔ بعض اوقات شوق  
 بیک گراؤ مذہبی بہت سے اختلافات کو ختم دیتی ہے۔“

”بڑی ماں، آخر آپ کہنا کیا چاہتی ہیں، جبکہ وہ مسلمان ہو کر آپ کے ساتھ رہنا  
 چاہتی ہے۔ پھر مذہبی یا معاشرتی خون سے اختلافات باقی رہ جائیں گے، آپ

One Urdu Forum . Com

اس نے جلدی سے بڑی ماں کے سرخ اور بھوسے بالوں والے سر پر ہاتھ رکھ دیا  
 اور بولا۔  
 ”اس سر کی قسم بڑی ماں، میں اپنے تمام تر غلوں کے ساتھ بالکل سنجیدہ ہوں۔ اس کے  
 ساتھ شادی کرنا چاہتا ہوں۔ اسے بیوی بنا کر رکھوں گا۔ اور اس فخر سے بیویوں کا کہ میری محبت  
 نے میرے مذہب کو بھی سرسبز عطا کی ہے۔“

”اگر کل تو اپنے فیصلے پر پھپھتایا، یا تو نے اس لڑکی کے لئے کوئی شکل کھری کر دی، یا  
 اپنے باپ والی کوئی حرکت کی تو میں تجھے پھانسی پر لٹکا دوں گی۔“  
 اس نے بڑھ کر بڑی ماں کا دوپٹہ تھام لیا، اور اس کا ایک پلو اپنی گردن کے گرد  
 لپیٹ کر کنارہ بڑی ماں کو پکڑا دیا اور بولا:  
 ”مجھے منظور ہے، یہ بھی منظور ہے۔ چاہے ابھی پھانسی دے دیں۔ مگر مجھے اس  
 لڑکی کی نظروں میں گرنے سے بچالیں۔“



بڑی ماں نے اس کا جائزہ لینے کے بعد دل میں سوچا کہ لڑکی دل میں اتر جانے والی ہے۔ اس میں وہ بات ہے جو ایک مرد کو دیوانہ بنا سکتی ہے۔ خصوصاً یہ مدد بھری آنکھیں اور قیامت اٹھانے والا جسم۔  
دو بڑے عوالم تھے۔

اس کے سحر سے اسجد کو بچا لینا انہیں کافی مشکل نظر آیا۔ اس عمر میں جب عشق کی آندھی اس زور شور سے چڑھی ہو، جو ان لڑکے کو کون سمجھا سکتا ہے۔  
ابھی وہ اس سے کوئی بات نہ کر پائی تھیں کہ ادھر ادھر سے باقی لڑکیاں بھی آدنگھ سو ننگھ پا کر برآمدے میں اکٹھی ہونا شروع ہو گئی تھیں، کیونکہ کافی دنوں سے گھر میں بغاوت کی بو بچی ہوتی تھی اور سازشوں کے ساتھ ان تن رہے تھے، پتہ تو سب کو چل گیا تھا کہ اس مرتبہ شہزادہ اسجد سراٹھا رہا ہے، مگر بڑی ماں کے خوف سے سب لوگ انجان بنے ہوئے تھے۔

سب سے پہلے اُفق اپنے بے ڈھنگے حلیے کے ساتھ سر کو کھجاتی ہوئی اپنے لیے لیے ناخنوں سے میل نکالتی ہوئی آئی۔ اس کے پیچھے شفق تھی۔ ہمیشہ کی طرح صاف ستھری۔ اس کے پیچھے نازاں، خنداں، اور پھر بھاری بھر کم تکنت۔  
اس کے بعد فروزاں۔

بڑی ماں نے لڑکیوں کے اس غول کی طرف دیکھا انہیں ان کے اچانک ٹپک پڑنے کی امید نہ تھی، اور کچھ دیر میں شاید باقی بھی ہمتہ بولنے والی تھیں۔ اس لئے انہوں نے اس وقت فلورا کا انٹرویو لینا مناسب نہ سمجھا، اس کے پاس ہی اس کے دو سوٹ کیس اور ایک ہولڈال پڑا تھا۔ گویا اپنے وعدے کے مطابق اسجد سے ساز و سامان سمیت لے آیا تھا۔

یعنی دو محبت کے ماروں نے عشق کی پہلی منزل کی جانب قدم بڑھایا تھا۔

One Urdu Forum . Com

دوسری مرتبہ بڑی ماں آگے آگے اور اسجد پیچھے پیچھے ایک بار پھر دونوں برآمدے میں نمودار ہوئے تو دل برداشتہ و خوف زدہ سی فلورا گھبرا کر پھر کھڑی ہو گئی۔ اس طرح کھڑی ہوئی کہ اس کا چہنچہا ہوا دوپٹہ کندھوں سے کھسک کر فرش پر گر پڑا، بوکھلاہٹ میں سلام کرنے کی بجائے پہلے اُس نے جھک کر اپنا دوپٹہ اٹھایا پھر بڑی ماں کو سلام کیا۔  
اُس کے نیچے جھکنے اور اٹھنے میں ہی بڑی ماں نے اندازہ لگا لیا کہ اس کا جسم انتہائی خوب صورت ہے۔ بے حد حسین اور موزوں زاد یوں کے ساتھ اس کی پتلی سی کمر تھی، ابھرے ہوئے مناسب کو لے، درمیانہ قد، رنگت اس کی عام عیسائی لڑکیوں کی مانند ساڑھی ہی تھی۔ مگر اس میں نمک بہت تھا۔ اور آنکھیں۔ ہاں اس کی آنکھیں بہت ہی خوبصورت اور پرکشش تھیں۔ لمبی لمبی سیاہ آنکھیں، چمکتی ہوئی پتلیاں اور اوپر گھنی پلکوں کی چھال جس طرف بھی دیکھتی اچھی لگتی۔ بار بار پلکیں جھپکنے سے اور بھی اچھی لگتی بس یونہی گول گول سی ناک تھی اور بھرے بھرے ہونٹ تھے، عمر اس کی یہی کوئی بیس اکیس برس ہوگی۔  
گھبراہٹ اور خجالت کے مارے اس کا سا لولہ رنگ سرخی مائل ہو رہا تھا، اور اس کی ٹھوڑی کا تل اور بھی نمایاں لگ رہا تھا۔



فلورا نے بے بسی سے مسجد کی جانب دیکھا۔ ان بلاؤں کے سامنے مسجد سے کچھ بھی نہ کہہ سکا تھا، صرف نرم لہجے میں اتنا ہی کہا۔

”فلوری بگھڑانا نہیں، یہ بڑی اچھی لڑکیاں ہیں۔ تمہارا دل لگا دیں گی، میں شام کو آ کر تمہاری خبروں گا۔“

فلورا نے کچھ بھی نہیں کہا، بس آنکھوں میں آئے آنسوؤں کو پیا، اور لڑکیوں کے پیچھے اس طرح چل دی، جس طرح کوئی سوتے قتل جاتا ہے۔

جب وہ مرے مرے قدم اٹھاتی اس کمرے میں داخل ہوتی جہاں لڑکیاں اس کا سامان لے گئی تھیں تو اس نے سنا اُفتی بلند آواز سے کہہ رہی تھی:

”میں تو ایک عیسائی لڑکی کو اپنے ساتھ ہرگز نہیں رکھوں گی۔“  
”شرم کرو اُفتی“ شفق نے اسے ڈانٹا، ”گھراتے مہمان کا اس طرح استقبال کرتے ہیں“

تم لوگوں کو تو منافقت کی عادت ہے، اور مجھے زمانہ سازی سے نفرت ہے۔ نازاں نے بڑوں والے انداز میں ہاتھ نچا کر کہا۔

”اچھا فضول باتیں نہ کرو اس وقت“ شفق نے فوراً فلورا کی موجودگی کو محسوس کیا جو کمرے میں داخل ہو چکی تھی۔

”او فلورا! پھر وہ خوش دلی سے بولی، ”یہ تمہارا کمرہ ہے“  
فلورا نے اپنا بیگ تپائی پر رکھ دیا اور خود صوفے پر بیٹھ گئی۔

لڑکیوں نے اس کے سوٹ کیس ایک طرف قرینے سے لگا دیتے تھے اور اب اس کا ہولڈال کھول رہی تھیں۔

”فلورا“ شفق نے پھر کمنا شروع کیا۔  
”میں کل اپنی یہ وارڈروب خالی کر دوں گی، تم اپنے سارے کپڑے استری کر کے یہاں

اب بڑی ماں اپنی بات سے نہ پھر سکتی تھیں۔ آنے والے واقعات کو انہوں نے فوراً مٹا لیا تھا۔ لڑکی شکل و صورت سے کسی معزز گھرانے کی معلوم ہوتی تھی۔

انہوں نے اُفتی کی طرف دیکھ کر کہا:  
”اُفتی، فلورا کا سامان تم اپنے کمرے میں رکھو، آج سے یہ تمہارے ساتھ رہے گی۔“

اُونہ، اُفتی نے بڑی بڑی شکل بنائی اور بولی:  
”میرے کمرے میں تیسرے پنگ کی جگہ نہیں ہے۔ اور نہ تیسری وارڈروب ہے۔“

”اگر جگہ تنگ ہے تو صوفہ باہر نکلوا دو۔“ بڑی ماں نے بڑے رعب سے کہا۔  
”تو جس کے لئے پنگ بچھانا ہے، وہ صوفے پر ہی سو جایا کرے۔“

اُفتی! اس مرتبہ بڑی ماں کی آواز میں عصمت تھا۔  
پہلی بار فلورا نے نظر اٹھا کر اُفتی کی جانب دیکھا۔

اُفتی کے چہرے پر پھیلی ہوئی نفرت اسے صاف نظر آئی۔ دوسرے معنوں میں اُفتی اسے کہہ رہی تھی، وہ صوفے پر سو جاتے۔ واہ۔ اسے کہتے ہیں۔ مہمان نوازی۔ تو

اس کے ساتھ اس گھر میں یہ سنوک کیا جاتے گا۔  
”بڑی ماں! صوفہ نہ نکلواتیں، میں رات کو نذرانہ کے کمرے میں سو جایا کروں گی۔ رات

کو ہم دونوں کو اکٹھے پڑھنا بھی ہوتا ہے نا۔“ شفق نے بڑی ملامت سے کہا۔  
”ٹھیک ہے“ بڑی ماں نے کس انداز میں کہا، کسی کو پتہ نہ چل سکا۔ ”جاؤ فلورا کا سامان

ٹھیک سے رکھو۔ اور اسے بھی ساتھ لے جاؤ۔“  
سب لڑکیوں نے بڑھ کر فلورا کا سامان اٹھانا شروع کر دیا۔ وہ کہتی رہ گئی میں خود

اٹھاؤں گی۔ مگر وہ مل کر منسی خوشی گھسیٹی ہوئی اس کا سامان لے گئیں۔  
بڑی ماں جا چکی تھیں۔



لکھنا۔

”نہیں۔ نہیں بہن، میرے کپڑے کمبوں میں ہی ٹھیک ہیں“ فلور کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ انہیں کیا کہہ کر بلائے۔

”اے۔ ہم نے ایک دوسرے کو متعارف تو کرایا ہی نہیں“ شفق پھر اپنے شفیق لہجے میں بولی۔

”اس طرح ہم بے تکلفی سے بات چیت کر سکیں گے“

لیکن اتنی جلدی بے تکلف ہونے کی کیا ضرورت ہے“ افق نے اپنے سڑے ہوئے انداز میں کہا۔

”تم چپ رہو افق۔ آؤ فلور تمہیں سب کے نام بتاؤں“

”یہ میری بڑی بہن افق ہے“

اُس نے ابتدا ہی افق سے کر ڈالی۔

”دیکھنے میں عجیب و غریب لگتی ہے۔ مگر دل کی بہت اچھی ہے۔ تم اس کی بات کا برا نہ ماننا“

”کیوں۔ کیا میرے دم لگی ہوئی ہے“ افق بدتمیزوں کی طرح اچھل کر پلنگ پر گر گئی اور ٹانگیں سامنے دیوار پر ٹکالیں۔

”یہ نماز ہے، بی اے کے آخری سال میں“

”یہ ننڈاں ہے بی۔ اے کے پہلے سال میں“

”یہ فردزاں ہے، اس نے اس سال میٹرک کیا ہے“

”یہ ہماری چھوٹی زاد بہنیں ہیں اور بالکل بغل والی کوٹھی میں رہتی ہیں۔ بس وہاں تو برائے نام رہتی ہیں، سارا دن ہم ایک ساتھ ہوتے ہیں“

یہ تینوں بہنیں جو ایک سے کپڑے پہن کر ابھی آئی ہیں، یہ نذرانہ، ترانہ اور جانان

ہیں“

”ہماری ایک چھوٹی بہن ہے ساتھ رہتی ہیں۔ یہ ان کی بیٹیاں ہیں۔ ہماری بڑی چھوٹی بہن بہت حلیم الطبع ہیں، منتظم ہیں۔ ان کو سب بی بی آپا کہتے ہیں“

”ہاں چھوٹی اپنا سارا وہ نوکروں پر ہی نکالتی ہیں، یہ بھی شکر ہے“ افق نے وہیں لیٹے لیٹے ٹانگوں کو جھلاتے ہوئے کہا۔

”یہ تمکنت ہے“ شفق نے افق کی بات سنی ان سنی کر دی“ یہ لگلوں سی پیاری پیاری لڑکی، یہ بھی ہماری کزن ہے۔ ویسے تو سولہ سال کی ہے۔ مگر دیکھنے میں خاصی بڑی لگتی ہے“

شفق نے اتنی خوش دلی سے کہا کہ فلور ابھی منس پڑی۔

”ہاں اس پر موٹا پاجامی بڑی تمکنت سے آیا ہوا ہے، یا چھایا ہوا ہے“ افق نے پھر لقمہ دیا۔

”اس کی چھوٹی بہن سلطنت بڑی دلچسپ چیز ہے۔ وہ ابھی اسکول سے نہیں آئی“ وہ بھی بے چاری کسی معزول شدہ نامراد شہزادے کی سلطنت معلوم ہوتی ہے“ افق نے پھر دخل اندازی کی۔

”یہ حورا ہے“ اس نے ایک چھوٹے سے قد کی خوبصورت سی لڑکی کی طرف اشارہ کیا۔ یہ سب سے چھوٹی چھوٹی بیٹی ہے۔ دیکھو کتنی چھوٹی سی ہے نا، اور معصوم سی بھی، مگر پتہ ہے دو سال رہ گئے ہیں اس کے ڈاکٹر بننے میں“

”اچھا فلور نے حیرت سے کہا۔

”کیونکہ حورا واقعی بہت چھوٹی اور معصوم لگ رہی تھی۔ زیادہ سے زیادہ میٹرک کی لڑکی۔“

اور اس کے علاوہ ہماری اور بھی بہت سی کزنز اور سہیلیاں اس کالونی میں رہتی

One Urdu Forum . Com



ہیں۔ گاہے بگاہے جن سے تمہارا تعارف ہوتا رہے گا۔

فلورا جی!

یکلخت اُفتی نے گردن اٹھا کر کہا۔

”تمہیں بہت ہی مایوسی ہوتی ہوگی، یہ دیکھ کر کہ اس گھرانے میں بڑی لڑکیاں ہی لڑکیاں ہیں۔ آخر کزن لڑکے کیوں نہیں ہیں؟ اور تم تو ایسے ماحول سے آئی ہو جہاں لڑکوں کی کپتی کو فوقیت دی جاتی ہے۔ ہے نا؟ پر مجھو رہی ہے کیا کیا جاتے۔ لڑکوں کے معاملے میں یہ خاندان بڑا بد نصیب ہے۔ ہمارا ایک کزن جو پرنس چارمنگ تھا سوڈن بھاگ گیا۔ دوسرے کو تم لے اڑی ہو، تیسرا ایک منحوس شکل کا حبشی ہے جو اپنی علمیت کے زور پر بازی جیتنا چاہتا ہے۔ کسی دن آئے گا تو تعارف ہو جائے گا۔ باقی سب لڑکے اجی میٹرک سے بھی چھوٹی جماعتوں میں ہیں۔ ان سب کی ماؤں نے لڑکے سوچ سمجھ کر نہیں پیدا کئے۔“

اُفتی... ”شفق نے ایک دم اُفتی کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ مذاق کی کوئی حسد ہوتی ہے۔“

”ہم سے چھوٹے چھوٹے سب بھائی بہت دلچسپ ہیں“ وہ فلورا سے بولی۔ ”شام کو آئیں گے، ہماری بہت عزت کرتے ہیں۔“

اور آپ...

فلورانے اس کی طرف اشارہ کیا تو شفق ہنس پڑی۔

”اوہ۔ اپنا آپ تو میں بھول ہی گئی۔“

”یہ کبھی اپنا آپ بھول جاتی ہے، کبھی اپنا دل بھول جاتی ہے، کبھی اپنا جگر، کبھی پھیپھڑا۔ یہ لڑکی نہیں بھول ہے۔“

اُفتی بے تکیے پن سے الٹی لیٹ گئی اور پیچھے سے ٹخنے اوپر اٹھائے۔ جس سے

اُس کی بھری بھری پنڈلیاں ننگی ہونے لگیں۔

شفق نے جیسے اس کے لیکچر کی پرداہ نہ کی اور بولی۔

”میرا نام شفق ہے، ویسے سارے مجھے شفق کہتے ہیں۔ میں فائن آرٹس میں ایم۔ اے

کر رہی ہوں۔ یہ اُفتی مجھ سے صرف ایک سال بڑی ہے۔ ہماری آپس میں بہت لڑائی لڑائی

ہے۔ اس لئے میں اسے آپا یا باجی نہیں کہتی۔“

”دیے آپا یا باجی کے کہلانے والے میرے کروت بھی نہیں ہیں۔“ اُفتی نے اس

بے تکیے پن سے کہا کہ ساری لڑکیاں ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گئیں۔ سوائے اُفتی کے

جو بے نیازی سے پاؤں ہلا رہی تھی۔

فلورانے ہنسنے کے بعد پوچھا۔

”یہ نہیں پڑھتیں؟“

”میں کیوں پڑھوں خدا سزا سزا۔“ اُفتی جلدی سے بولی۔ ”میں نے تو دنیا جہاں

کی ڈگریاں حاصل کر لی ہیں۔ علم کے خزانے لوٹ لئے ہیں۔ تعلیم وہ حاصل کرتے ہیں۔ جو

رشتہ ہوں، ناممکن ہوں، ناآسودہ ہوں اور منافی بنتا چاہیں۔“

”نہیں فلورا! شفق درمیان میں بولی۔

”اس نے الیف لے کرنے کے بعد پڑھنا چھوڑ دیا تھا۔ ویسے کتابیں پڑھنا اس

کا مشغلہ ہے، اس سے دوستی رکھو گی تو اچھی اچھی کتابیں پڑھنے کو ملیں گی۔“

”ویسے مس فلورا! اُفتی ایک دم اٹھ کر بیٹھ گئی اور فلورا کی طرف منہ کر کے بولی۔ اور

مس فلورا۔ مس فلورا، کیا آپ اپنا خاندانی نام بتائیں گی۔“

”فلورا جوزف۔“

فلورا شرم سے ایک دم پیلی پڑ گئی۔ جیسے اُفتی نے اسے اپنی اوقات بتا دی تھی۔

”ہاں تو مس فلورا جوزف، شکل سے آپ کافی ذہین معلوم ہوتی ہیں اور یوں لگتے ہیں



”خون جگر“

”اتسو۔ یا صبر کے گھونٹ“

”چوٹس دو ان کو، کہ اس گھر میں یہی کچھ پینے کو ملا کرتا ہے۔ بولو کیا پیو گی؟“  
 ”اُنی پینیز... پلینز اُنی“ شفق نے اُس کے آگے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔ ”خدا کے لئے اب اپنی زبان بند کرو، اس لڑکی کو پریشان نہ کرو، اور اپنا امپریشن بھی خراب نہ کرو۔“

”اچھا تو میرا امپریشن کسی پر اچھا بھی پڑ سکتا ہے، کم از کم اس گھر میں تو نہیں، سبھی مجھے برا کہتے ہیں۔ کچھ دنوں بعد فلورا اجوزت کی بھی یہی رائے ہو جائے گی، کب تک تم پر دے ڈالو گی۔“

”میں ایک الگ رائے رکھنے کی قوت رکھتی ہوں اور مجھے اپنے مشاہدے پر بھی پورا بھروسہ ہے۔“

فلورا نے بڑی شستہ انگریزی میں بڑے سجاوے سے کہا۔ جس سے سب لڑکیاں بڑی مرحوب ہو گئیں۔ شفق یہ کہہ کر باہر کوچکی کہ میں تم سب کے لئے ایک ایک کپ چائے کا بنا لاؤں۔

”شفور زندہ باد“ سب نے نعرہ لگایا۔

شفق کے چلے جانے کے بعد کمرے میں تھوڑی دیر سکوت رہا۔ کوئی نہیں بول رہا تھا۔ صرف اُنی اپنی بھونڈی آواز میں بوگس گانے گا رہی تھی۔ پھر فلورا موقع غنیمت جان کر ان سے معذرت کرتی ہوئی ہاتھ روم میں چلی گئی۔ اس کے جاتے ہی سب لڑکیاں اُنی کے پیچھے پڑ گئیں کہ وہ کس طرح سے ایک بالکل اجنبی اور غیر مذہب کی لڑکی کے ساتھ بدبیتی کر رہی تھی۔

مگر اُنی کب ان کی ماننے والی تھی۔

اس ساری محفل میں آپ صرف مجھ ناچیز سے ہی متاثر ہوتی ہیں، کیونکہ آپ نے فقط میرے بارے میں سوال کیا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ میری پسنیلٹی میں ایسی بات ہے مگر میں کسی سے ہرگز متاثر نہیں ہوتی اور بڑی متعصب لڑکی ہوں، پسند نہیں کرتی کہ ایک عیسائی لڑکی میرے کمرے میں رہے۔ یہ اور بات ہے کہ میں بھی بڑی ماں کے فیصلے کے آگے نہیں بول سکتی، مگر میں تمہیں اتنا تنگ کروں گی کہ تم یہ کہہ کر تو کیا یہ گھر ہی چھوڑ جاؤ گی ممکن ہے کہ دنیا ہی چھوڑ کر چلی جاؤ اور تم یہ گانا گاتی ہوئی رخصت ہو جاؤ۔

تیری دنیا سے ہم

لے کے چلے تیرا غم

ہمیں یاد رکھنا!

جی ہمیں یاد رکھنا!

”بکواس بند کرو اُنی، بہت بے ہودگی کر چکی ہو تم، اور آج کے لئے اتنا ہی برداشت ہو سکتا ہے۔“

نازما نے کہا

”فلورا اس کی باتوں میں نہ آنا۔ اس کا مشغلہ صرف پریشان کرنا ہے۔ ورنہ اندھے بڑی نہیں۔“ سورا بولی۔

”ہاں محترمہ ڈاکٹر صاحبہ! ابھی آپ کی اوقات ہی کیا ہے اور آپ نے میرا اندر اہر سب دیکھ لیا ہے۔“

”ادھو، ہم اتنی دیر سے گیس ہانگ رہے ہیں اور بے چاری فلورا سے کسی نے پاتے کا پوچھا ہی نہیں۔“

”فلورا کیا پیو گی کافی یا چائے؟“ شفق نے محبت سے پوچھا۔

”تین چیزیں“ اُنی جلدی سے بولی۔



تب فلورا کو ہوش آیا کہ بڑی ماں اُسے بلا کر گئی ہیں۔ اُس نے قرینے سے دوپٹہ اڑھا اور شفوکے پیچھے پیچھے چل دی۔

چرخ چرخ ہو رہی تھی کہ شفوکے کی ٹرے پکڑے اندر آئی۔ اس کے ساتھ ہی غسل خانے کا دروازہ کھلا اور فلورا باہر نکل آئی۔

سب لوگ چائے پینے لگے۔

ابھی انہوں نے چائے ختم کی ہی تھی کہ بڑی ماں کمرے میں داخل ہوئیں۔ سب لڑکیاں احتراماً کھڑی ہو گئیں۔ اُنہی اس طرح شکستہ کھڑی ہوئی، جیسے اُسے کسی نے جبراً کھڑا کیا ہو۔

”فلورا کا سامان ٹھیک سے لگا دیا لڑکیو؟“

”جی ہاں جی“ سب نے یک زبان کہا۔

”فلورا کو کچھ چائے پانی دیا؟“

”جی بڑی ماں“ شفوکے قرینے سے دوپٹہ سر پر جماتے ہوئے کہا۔

”فلورا“ انہوں نے اپنا چہرہ فلورا کی طرف موڑا

فلورا کا دل دھک دھک کرنے لگا۔

گھنی پلکیں آپ ہی آپ لرزنے لگیں۔

”اگر تم اس وقت فارغ ہو تو تھوڑی دیر کے لئے میرے کمرے میں آؤ۔“

بڑی ماں یہ کہہ کر باہر نکل گئیں، اور فلورا ایسے کھڑی رہ گئی جیسے فرش نے اُس کے پاؤں پکڑ لئے ہوں، رنگ اس کا زرد ہو رہا تھا اور ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہوتے بارہ تھے اور دل ڈوبنے کو تھا۔

جلنے بڑی ماں نے کمرے میں کیوں بلایا ہے۔ کڑی منزلیں تو قدم قدم پر کھڑی

تیں۔ پھرنے جانے کیوں ہر بار اس کا دم فنا ہو جاتا تھا۔ شفوکے نے سمجھا کہ اسے بڑی ماں کے

کمرے کا پتہ نہیں ہے۔ اس نے گھبرا رہی ہے۔

”آؤ فلورا میں تمہیں بڑی ماں کے کمرے میں چھوڑ آؤں۔“



پر ایک طرف کو بیٹھ گئی۔

انہوں نے بہت آہستگی اور خشوع و خضوع سے نماز پڑھی تسبیح پھیری اور پھر دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔

فلورا اس عرصے میں اچھی طرح کمرے کا جائزہ لے چکی تھی۔ بڑی ماں کا فی ٹوش ذوق خاتون ہیں۔ اس نے مرعوب ہوتے ہوئے سوچا۔ ان کا بلند ذوق ایک ایک شے سے جھانک رہا ہے۔

دعا کے بعد بڑی ماں نے فلورا کی طرف رخ پھیرا تو فلورا پھر کھڑی ہو گئی۔

”بیٹھو بی بی۔“ انہوں نے اس کے قریب آ کر اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ ”بار بار کھڑے ہونا ٹھیک نہیں۔“

فلورا پھر صوفے کے کونے پر بیٹھ گئی۔

”ٹھیک ہو کے بیٹھو۔“

وہ جلدی سے ٹھیک ہو کر بیٹھ گئی۔

بڑی ماں بھی وہیں صوفے پر بیٹھ گئیں۔ بڑی ماں بیٹھیں تو ان کے کپڑوں میں سے مقدس اور عجیب و غریب خوشبو آتی۔

ہاں فلورا کو تو ہر بات عجیب ہی لگ رہی تھی۔ ویسے خوشبوؤں کی تو وہ بہت

سی سنتیں جانتی تھی اور پسند کرتی تھی۔ مگر بڑی ماں کے وجود سے جو خوشبو اُٹھ رہی

تھی۔ وہ سیدھی احساسات کو چھو رہی تھی۔ عجیب طرح ذہن و دل میں بچل بچا رہی تھی،

جیسے یہ خوشبو باتیں کر رہی ہو، کچھ کہہ رہی ہو، کچھ احساس دلا رہی ہو۔

کسی مقصد کا احساس۔

بزرگی کا احساس۔

اچھا تو بزرگ ایسے ہوتے ہیں۔

بڑی ماں کا کمرہ بھی ان کی طرح بڑا بارعب اور پُر وقار تھا، کھلا کھلا کشادہ کمرہ۔ جس میں سفید ریشمین پرٹے لٹک رہے تھے۔ خوش رنگ پھولوں والا بیس قیمت قالین فرش پر بچھا تھا۔ ایک طرف پینگ پڑا تھا جس پر سفید براق ریشمین جھالروں والا بیڈ کو رپڑا تھا۔ اُس کے قریب نیلی دلیوٹ کا جدید طرز کا صوفہ پڑا تھا۔ ایک کونے میں درمیانے سائز کا تخت بچھا تھا۔ جس پر ایرانی قالین بچھا تھا۔ ارد گرد گاؤ تکیے رکھے ہوئے تھے، ایک طرف تہہ کی ہوتی جا نماز رکھی تھی۔ اسی کمرے میں ایک دیدنیب بک شیف بھی رکھی تھی جس پر زیادہ تر مذہبی کتب اور تفسیریں رکھی ہوتی تھیں۔ کمرے میں بڑے خوبصورت فانوس لٹک رہے تھے۔ ایسے لگتا تھا روشنی ڈائریکٹ نہیں آ رہی بلکہ دیواروں سے چھن چھن کر آ رہی ہے۔ کمرے میں سے ایک عجیب و غریب مگر مقدس سی خوشبو آ رہی تھی ایسی خوشبو بڑے بڑے مزاروں پر سے آتی ہے گو وہ کبھی مزاروں پر نہ لگتی تھی۔ مگر ایسی گلیوں یا سڑکوں پر سے ضرور گزری تھی، جہاں مزار تھے اور خوشبو کے ایسے بھجکے باہر تک چلے آتے ہیں۔

وہ ڈری سہمی اندر داخل ہوئی تو بڑی ماں مغرب کی نماز پڑھ رہی تھیں۔ وہ صوفے



پہلی مرتبہ اُس نے نظر اٹھا کر بڑے، پیرے کو دیکھنے کی کوشش کی اور پھر تاب نہ لا کر نظریں جھکالیں۔

”بیٹی میں تمہارا زیادہ وقت ضائع نہیں کروا گی“ بڑی ماں نے اپنے لہجے میں تمام تر شفقت سمو کر کہنا شروع کیا۔

”میں تم سے یہ پوچھنا چاہتی تھی کہ کیا تم اپنی خوشی سے مسلمان ہونا چاہتی ہو۔ کیا یہ جذبہ خود تمہارے اندر سے پھوٹا ہے یا اسجد تمہارے ساتھ زبردستی کر رہا ہے“

فلورا کا سر خود بخود جھکتا چلا گیا۔

”میں جانتی ہوں، محبت کا جذبہ بہت عظیم اور ظالم ہوتا ہے، لیکن ایک جذبہ اور بھی ہے۔ جس کی جڑیں اس جذبے سے زیادہ مضبوط ہوتی ہیں، میرا مطلب مذہب ہے۔ وہ مذہب جسے انسان ماں کے پیٹ سے لے کر پیدا ہوتا ہے۔ وہ اُس کی رُوح میں رُتج بس جاتا ہے۔ دُنیا میں صرف ایک محبت ہی ایسی شے ہے جو مذہبی جذبے کے اوپر حاوی ہو جاتی ہے۔ خصوصاً اس عمر میں، جس میں تم اور اسجد ہونو مذہب معاشرت، عزیز واقربا محبت کے آگے بالکل ہیج معلوم ہوتے ہیں۔ ان سب کو وہ ٹھکرانے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ اسی موڑ پر بچے بڑے بڑے فیصلے کر لیتے ہیں۔ جنہیں بعد میں نبھانا مشکل ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات محبت کا یہ جذبہ جس تیزی اور تندگی سے ابھرتا ہے۔ اتنی ہی سرعت سے فنا بھی ہو جاتا ہے۔ تب دونوں فریق پچھتانے لگتے ہیں اور اگر دل سے مذہب نہ قبول کیا ہو تو ایک دوسرے سے ٹکرانے لگتے ہیں“

”کیا تم نے یہ سب کچھ سوچ کر فیصلہ کیا ہے؟“

فلورانے کچھ اور بھی سر جھکالیا۔

”کیا واقعی تمہیں اسجد پر اتنا بھروسہ ہے کہ تم اپنا مذہب چھوڑنے پر تیار ہو گئی ہو؟“

”کیا تم اپنے فیصلے پر کبھی نہ پچھتاؤ گی؟“

فلورانے اب کے سر اتنا جھکالیا کہ اس کے گھٹنوں سے جا لگا۔

”بیٹی، اس طرح سر جھکانے سے کام نہیں چلے گا۔ مجھے صاف صاف بتاؤ“

انہوں نے زبردستی فلورا کا سر اوپر اٹھایا تو وہ زار و قطار رو رہی تھی۔

روتی کیوں ہو کچی، کوئی تمہارے ساتھ زبردستی نہیں کرے گا۔ صرف مجھے اپنی مرضی بتا دو“

فلورا ہچکیاں لے لے کر رونے لگی۔

”اُس سے تو مجھے یوں اندازہ ہو رہا ہے کہ اسجد تمہیں زبردستی آمادہ کر کے یہاں لے آیا ہے“

”نہیں، بڑی ماں“ روتے روتے ایک دم فلورانے آنکھیں اوپر اٹھائیں، بڑی ماں کی طرف نظر بھر کر دیکھا، اور پھر جلدی سے جھک کر اُن کے قدموں پر اپنا سر رکھ دیا۔

”اگر آپ مجھے قبول کر لیں بڑی ماں تو... تو...“

”ارے۔ ارے، یہ کیا کر رہی ہو؟ بڑی ماں نے جھک کر فلورا کو اٹھایا اور پھر صوفے پر بٹھا دیا۔

”ایسے نہیں کرتے، اتنی دل برداشتہ کیوں ہو رہی ہو۔ جو بھی بات ہے۔ وہ اپنے منہ سے کہو، تاکہ مجھے یقین ہو جائے، پہلے اپنا چہرہ صاف کر لو“

فلورانے دوپٹے کا پلو پکڑ کر اس سے اپنا چہرہ صاف کیا۔ مگر آنسو تھے کہ پکتے چلے آ رہے تھے۔ کیسی بے بسی کا موڑ تھا۔ نہ پچھے کوئی راستہ تھا نہ آگے، یکایک وہ بیچ پورا، کے آن کھڑی ہوتی تھی اور سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کون سی سمت کا تعین کرے، اصل راستہ کون سا ہے؟

وہ تو ایک فیصلہ کر کے چل پڑی تھی، اسے کیا علم تھا کہ راہ میں اور بھی موڑ آئیں گے

تھی کہ اس کے فیصلے کو بار بار تولا جائے گا، ٹٹولا جائے گا۔ بار بار مرنا اور بار بار جینا کس

One Urdu Forum . Com



تدر شکل تھا۔

”کیا تم ہمارے ماحول میں خوش رہ سکو گی؟“

”جی ہاں“

جب ذرا اس کی ہچکیاں تختیں تو بڑی ماں نے سوال کیا۔

”تمہارے والدین کہاں رہتے ہیں؟“

”جی۔ ایبٹ آباد میں“

”کیا انہوں نے خوشی خوشی تمہیں مذہب بدلنے اور شادی کرنے کی اجازت دے

دی ہے؟“

”میں نے انہیں خط میں سب کچھ صاف صاف لکھ دیا تھا کہ میں اسجد کے بغیر زندہ نہیں

رہ سکتی۔ اگر ان کا فیصلہ میرے حق میں نہیں ہے تو نصیحت آمیز خط لکھ کر وقت ضائع نہ

کریں۔ اگر خوش ہیں تو صرف مبارک باد کا خط لکھیں“

کس قدر سادگی سے اُس نے بڑی ماں کو اپنا عندیہ بتا دیا تھا۔

”پھر انہوں نے کیا جواب دیا؟“

”انہوں نے خط کا جواب ہی نہیں دیا“

”ہوں“

بڑی ماں نے ایک لمبی سانس چھوٹی۔

”بہت عظیم ہیں تمہارے والدین“

فلورا نے استفسار مئیہ نظروں سے بڑی ماں کی طرف دیکھا گویا پوچھ رہی ہو۔

آپ کس حد تک عظمت کا ثبوت دے سکتی ہیں؟

”بیٹی کیا تمہیں اپنے ہر جذبے پر بھروسہ ہے؟“

”جی ہاں“

”کیا تمہیں اسجد پر مکمل اعتماد ہے؟“

”جی ہاں“

”بیٹی، میں تمہارے جذبات کی قدر کرتی ہوں، میں ظالم سماج بن کے تم دونوں کے

درمیان دیوار بنتا نہیں چاہتی۔ پھر بھی میں چاہتی ہوں کہ تمہیں سوچنے کا ایک اور موقع دوں

تاکہ تم یہ نہ سوچو کہ یہ سب کچھ تم پر زبردستی ٹھونسا گیا ہے۔ میں تمہیں سوچنے کے لئے مزید

دس دن دیتی ہوں۔ اگر تم مشورے کے لئے اپنے والدین کو خط لکھنا چاہو تو لکھ سکتی ہو

اس ماحول میں رہ کر دیکھو، کیا تم اسے دل سے قبول کرو گی، اسجد کا بھی گھر میں اٹھنا بیٹھنا

کد دیکھو، دس دن کے بعد مجھے اپنے فیصلے سے مطلع کر دینا، میں ہر طرح سے تمہارا ساتھ

دوں گی“

فلورا کھڑی ہو گئی۔

”اور ہاں۔ گھبراؤ نہیں، اس گھر میں اپنے گھر کی طرح رہو۔ ڈرنے کی ضرورت نہیں

تمہیں اس گھر میں رہنے کا حق پہنچتا ہے“

”شکر یہ بڑی ماں“

فلورا نے جھک کر کہا اور باہر نکل گئی۔

بڑی ماں نے دیکھا، اُس کے بال بھی بہت لمبے تھے، اور اُس نے بہت فرتینے

سے چوٹی باندھی ہوئی تھی۔

باہر نکلنے ہی اُسے شفق مل گئی۔ بولی

”آؤ تمہیں سارا گھر دکھاتے ہیں، تاکہ تمہارا یہ اجنبیت کا احساس ذرا کم ہو“

پھر اور لڑکیاں بھی اُن کے ساتھ مل گئیں۔ وہ سارا گھر اور سارے کمرے دیکھنے لگیں

بڑی ماں نے بڑا خوبصورت اور کشادہ گھر بنایا ہوا تھا۔ اوپر کی منزل لڑکوں اور ہمانوں کے

لئے مخصوص تھی۔ اوپر کا حصہ فلورا کو بہت پسند آیا۔ نیچے کھیلنے کے لئے ایک بہت بڑا



لان بھی تھا، اور لان کے وسط میں ایک خوبصورت فوارہ بھی نصب تھا۔ چھت پر کھڑے ہو کر انہوں نے ساری کالونی کا منظر دیکھا۔ اور شفونے مختصر الفاظ میں اسے قدسیہ کالونی کی تعمیر کی کہانی سنادی، جسے سن کر وہ بڑی ماں سے اور بھی امپرسی ہو گئی۔

جب وہ گھوم گھوم کر اور بہت سی باتیں کر کے نیچے آ رہی تھیں تو نیچے بہت شور تھا۔ معلوم ہوا خاندان کے سب چھوٹے لڑکے ٹی۔ وی کے آگے اودھم مچا رہے ہیں اور خاتماں بے چارہ چیخ چیخ کر سب کو کھانے کے لئے بلارہا ہے، کوئی اس کی آواز ہی نہیں سن رہا تھا، ہر کوئی اپنی راگنی الاپ رہا تھا۔

یہ ہمارے چھوٹے چھوٹے پیارے پیارے کزن ہیں۔ فلورا! شفونے کہا۔ تمہیں ان سے ملو اؤں!

”بنٹو، شیخو، جنید، زبیر، عمیر... سب دوڑ کر ادھر آؤ۔ جیٹی تمہاری ایک نئی باجی آئی ہیں!“

”لڑکیو! کھانے کے لئے آؤ۔“

ڈانٹنگ بال سے جب بڑی ماں کی گونج آواز سنائی دی، تو ہر کوئی سب کام چھوڑ کر کھانے کے کمرے کی طرف دوڑا۔

بوکھلائی ہوئی فلورا بھی شفونے کے ساتھ ساتھ اندر آگئی۔ جس طرح اوروں نے منگ پر ہاتھ دھوئے، اس نے بھی دھو لئے۔

تھوڑی دیر کھڑی انتظار کرتی رہی، تاکہ ہر کوئی اپنی اپنی کرسی پر بیٹھ جائے تو پھر اسے اندازہ ہوا کہ اس کو کہاں بیٹھنا ہے۔

مگر بڑی ماں نے خود ایک کرسی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔  
”یہاں بیٹھ جاؤ۔“

وہ فوراً تعمیل کرتی ہوئی شکر کر کرسی پر بیٹھ گئی۔

جب سب بیٹھ چکے تو اچانک اسجد کی آواز آئی۔  
”اسلام علیکم!“

”بڑی ماں، آج مجھے دیر ہو گئی!“

وہ معذرت کرتا ہوا اپنی کرسی پر بیٹھ گیا، اس کے بالکل سامنے فلورا بیٹھی تھی۔

”آج تو بلکہ آپ کو بہت جلد آ جانا چاہیے تھا!“ افق نے طنزیہ انداز میں کہا۔

پہلے وہ پوچھنے لگا تھا، کیوں؟ مگر افق کا لہجہ پہچان کر بولا:

”ہاں میں بہت جلدی چلا تھا، مگر ایک دوست کو حادثہ پیش آ گیا اور ماے مروت کے اس کے ساتھ ہسپتال تک جانا پڑا۔“

”دل کا حادثہ یا دماغ کا!“

افق نے اس کی بات پوری نہ ہونے دی۔

افق: ”بڑی ماں نے اسے گھوڑا۔“

پھر سب لوگ خاموشی سے کھانے لگے۔

فلورا بہت گھبر رہی تھی۔ اس لئے نہیں کہ اس نے اتنی بڑی میز پر اتنے زیادہ لوگوں کے ساتھ کبھی کھانا نہیں کھایا۔ اس لئے کہ ابھی اس گھر میں اس کی حیثیت متعین نہیں ہوئی تھی

نہ وہ مہمان تھی، نہ رشتہ دار۔ نہ کوئی اور تھی رکھی تھی۔ مہمان تو کچھ دنوں کے لئے آتا ہے۔

وہ تو وہاں سدا رہنے کو آئی تھی، ایک سال کی سی حیثیت تھی اس کی، جس کو کوئی قبول نہیں

کرنا چاہتا۔ مگر وہ بھیک مانگنے کی بجائے اپنی جگہ مانگ رہی تھی، کسی عجیب بھیک تھی یہ۔

اپنی جگہ پر خود ہی پانی پانی ہوتی جا رہی تھی کہ افق نے حسب عادت ایک ریچھی بھینکی۔

”بڑی ماں، میں نے تو ایک جگہ پڑھا تھا کہ مسلمانوں کا عیسا بیوں کے ساتھ ایک ہی

برتن میں کھانا پینا جاتا نہیں ہے۔“

فلورا کے ہاتھ سے نوالہ گر گیا۔ جس کو سب نے دیکھا۔



گی۔ میں نے صاف کہہ دیا ہے۔ اگر کوئی میرے ساتھ سختی سے پیش آیا تو میں یہ کچھ چھوڑ کر چلی جاؤں گی۔“

بڑی ماں جانتی تھیں کہ افق ایسی ہی جنونی اور جذباتی ہے۔ جو کبھی کہتی ہے کہ گزرتی ہے اور باقی سب بھی جانتے تھے! ابھی کوئی جواب نہ دے پایا تھا کہ فلورا ایک دم کھڑی ہو گئی۔ نوالہ گرنے کے بعد تو اس سے دوسرا نوالہ اٹھایا ہی نہیں گیا تھا۔

آنکھوں میں آنسو پلٹتے ہوئے بولی۔

”ایسکیوز می اور بھاگ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔“

اس نے نہیں سنا کہ میز پر سب لوگوں نے افق کو کس قدر لعنت ملامت کی۔ بڑی ماں کا موڈ بہت خراب تھا۔ وہ تیزی سے میز سے اٹھ گئیں اور جاتے جاتے بولیں۔

”افق تم تھوڑی دیر کے لئے میرے کمرے میں آؤ۔“

روتی ہوئی فلورا آکر اپنے بستر پر گر گئی۔

افق! اسجد اپنی جگہ پر بیٹھ اٹھا۔

”افق خاموشی سے کھانا کھاؤ اور بڑی ماں کے لہجے میں اتنا غصہ تھا کہ سب خوف کے مارے کھانا کھانے لگے۔“

”ویسے تو بڑی ماں، آپ مذہبی اصولوں کی بڑی سختی سے پابند ہیں، گھر میں خلاف شرع یہ نہ ہو، وہ نہ ہو۔ آپ نے ریٹا کی کریمس پارٹی پر ہمیں کتنے پر زور الفاظ میں لیکچر دیا تھا کہ عیسائیوں کے ساتھ کھانا حرام ہے۔ لیکن جب آپ کی رضا شامل ہو تو سب حرام حلال ہو جاتا ہے۔“

بڑی ماں نے پانی کے گھونٹ کے ساتھ اپنا غصہ نکلا۔ واقعی انہوں نے پچھلے سال ان کی ایک کرسمس سہیلی کے گھر جانے سے انہیں روکا تھا اور حدیث و سنت کا حوالہ دیا تھا۔

لیکن اس وقت ایک اجنبی لڑکی کے سامنے انہوں نے خاموش رہنا ہی مناسب سمجھا۔ سارا گھر جانتا تھا کہ افق بڑی گستاخ اور نڈر لڑکی ہے، بڑی ماں جان بوجھ کر اغماض برتی تھیں۔ لڑکی ذات ہے۔ کچھ اور نہ کر بیٹھے۔ بعض اوقات تو وہ حد سے گزر جاتی تھی، جیسے آج کر رہی تھی۔

”بڑی ماں! آخر آپ افق کے منہ پر تھپڑ کیوں نہیں مارتیں؟ اسجد نے غصے سے کہا۔“

”تھپڑ تو انہیں آپ کو مارنا چاہیے، جو ایسی ذلیل حرکت کرنے جا رہے ہیں۔“

افق نے بھی ترکی پر ترکی جواب دیا۔

افق! شفو اپنی جگہ پر چینی۔ کچھ بڑوں کا ادب کرنا سیکھو ورنہ آج میں تمہارے منہ پر

تھپڑ مار دوں گی۔

”واہ! ہر کوئی میرے خلاف ہو گیا ہے۔ میں ہرگز کسی عیسائی لڑکی کو اپنے کمرے میں نہیں رکھوں گی۔ نہ اس کے ساتھ اٹھوں گی، بیٹھوں گی نہ میز پر اس کے ساتھ کھانا کھاؤں۔“



اور اگر سے کہا جاتا تو شاید وہ دنیا چھوڑنے پر بھی تیار ہو جاتی۔ ہاں یوں ہر لمحہ منے سے بہتر تھا وہ ایک ہی بار دنیا سے منہ موڑ جاتی۔ وہ سر ٹپک کر رہی تھی۔ روئے جا رہی تھی۔

خرد اور جزیں میں پھر جنگ ہو رہی تھی۔

یہ جنگ پچھلے ایک سال سے جاری تھی۔ جب اُس نے پہلے پہل یونیورسٹی کی لائبریری میں اسجد کو دیکھا تھا۔

درمیانے سے قد کا سُرخ و سفید، سنہری مونچھوں اور سنہرے بالوں والا ایک خوبصورت سا لڑکا۔

بالکل ایسا ہی ایک لڑکا اس کے ذہن میں رہا کرتا تھا۔ اور ایسے ہی ننھے منے بچے اُس کے تصور میں آیا کرتے تھے۔ گورا رنگ شاید اُس کی کمزوری بن گیا تھا۔ یا سبراڈمی میں وہ پاپا کا عکس دیکھتی تھی۔

اُس کے پاپا بہت ہی خوبصورت تھے۔ سفید سفید، اُجلے اُجلے، سنہری سنہری اور نستعلیق۔

مگر اُس کی ماما سانولی سلونی تھی اور اُس کا اپنا رنگ ماما پہ چلا گیا تھا۔ کاش کہ وہ صرف اپنے پاپا کا خوبصورت رنگ لے لیتی اور ماما کے سب نقش و نگار لوٹا دیتی۔

اُس کے پاپا آئرلینڈ کے تھے۔ گرجا میں پادری تھے۔ عیسائیت کے پرچار کے لئے ملک ملک نگر نگر جاتے تھے پاکستان میں آئے تو یہیں کے ہو رہے۔

یہاں انہیں ایک سانولی مگر من موہنی عیسائی دو شیزہ پسند آگئی۔ انہوں نے اس سے شادی کر لی۔ دونوں میاں بیوی کے عقائد ایک جیسے تھے۔ ماما ایک مشنری سکول میں پڑھانے جاتیں۔ اور پاپا گرجا گھر میں درس دیا کرتے۔ ایک ہی تو ان کی اولاد تھی۔ فلورا۔

جو ایک مذہبی مگر پُرسکون گھر میں پرورش پا رہی تھی۔ بچپن میں اُس نے لوری کی

ہاں تو یہ پہلا دن تھا۔

عشق کی وادی پر خار میں پہلا دن۔

یہ منزل بڑی کٹھن ہے۔ یہ پڑاؤ بڑے ظالم ہیں۔ اسجد نے اُسے سمجھایا تھا۔

ماما نے بھی بتایا تھا اور پاپا نے بھی۔

ماما اور پاپا کی بات تو اسے سر سے سمجھ ہی نہ آئی تھی۔ مگر اسجد کی سب باتیں

اُس کے رگ و پے میں سرایت کر گئی تھیں۔

اسجد اُس کی منزل تھا۔

اُس کا پہلا پیار تھا۔

اُس کی نوخیزا منگوں کا پہلا ارمان تھا۔

اُس کے پیار کی خاطر وہ اتنے نفیس اور محبت کرنے والے ماما اور پاپا کو چھوڑنے

پر تیار ہو گئی تھی۔

مذہب چھوڑنے پر تیار ہو گئی تھی۔

شہر چھوڑنے پر تیار ہو گئی تھی۔



اور بحث کے دوران سخت بات بھی کہہ جاتی تو سب خندہ پیشانی سے برداشت کر لیتے۔ بد سب لوگ اسلام کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات اس کو فراہم کرتے۔ اپنے تحقیقی مقالے کا عنوان بھی اُس نے یہی رکھا اسلام اور دوسرے مذاہب وہ اکثر و بیشتر لائبریری میں پائی جاتی۔ حوالے کے لئے بے شمار کتابوں میں گوری وہ گھنٹوں وہاں بیٹھی رہتی۔ لائبریری کے سب لوگ اُسے پہچاننے لگے اور وہیں پندرہ روز کئی لوگوں سے ملاقات ہو جاتی تھی۔ اسجد بھی اپنے ایک دوست کے ساتھ وہاں آگیا۔

گیا اُس نے تعلیم ختم کر لی تھی اور آج کل شوقیہ لیکچر شپ کر رہا تھا۔ یار! اس یونیورسٹی میں ایک کرسی لڑکی آتی ہے۔ مگر بلا کی ذہین ہے۔ اسلامک اسٹڈیز میں ایم اے کر رہی ہے۔ بہت اچھے اور دلچسپ سوالات کرتی ہے۔

اچھا! اسجد ابھی حیران ہونے والا تھا کہ فلورا ایک دم کتابوں کا بندل اٹھانے اندر داخل ہوئی۔

”یہ ہے وہ لڑکی“ اسجد کا دوست جلدی سے بولا۔

”مس فلورا جوزف۔ میرے دوست سے ملو۔ یہ ہے اسجد! اسجد ہمایوں۔“ فلورا نے نظر اٹھائی تو ہاتھوں میں پکڑا ہوا کتابوں کا بندل زمین پر گر گیا۔ بظاہر تو سب نے یہی سمجھا کہ بوجھ اتنا زیادہ تھا کہ فلورا کے لئے اسی عالم میں زیادہ دیر تک کھڑے رہنا مشکل ہو گیا تھا۔

مگر فلورا کا دل جانتا تھا کہ کیا ہوا۔؟

اسجد کی وہ شوخ شوخ سنہری آنکھیں۔

کبھی پاپا کی ایسی آنکھیں تھیں۔

بگڑے کی گھنٹیاں اور ننوں کے نغے نغے تھے۔ ذرا بڑی ہوئی تو ماں نے ایک مشنری سکول میں داخل کر دیا۔ جو دوسرے شہر میں تھا اور جس کا ہوشل بھی تھا۔ چھٹیوں میں گھر آ جاتی۔

اما تو خیر چھٹیوں میں بھی بہت مصروف رہتی تھیں کہ انہوں نے بہت سے بچھڑے پال رکھے تھے۔ پاپا سے بہت پیار کرتے تھے۔ صبح جب سفید چڑھنے لگے ہیں صلیب لٹکاتے وہ امن کا فرشتہ بن کر چرچ جانے لگتے تو وہ ان کے گلے میں جھول جاتی کتنے شاندار لگتے تھے پاپا۔ اما تو ان کے ساتھ سوٹ ہی نہ کرتی تھیں۔ پاپا اُس کی کوئی فرمائش نہیں مانتے تھے۔ اس کا ہر شوق پورا کرتے تھے۔ مگر اُسے ہمیشہ اچھی سچی بن جانے کی تلقین بھی کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ اُس نے بی اے کر لیا تو یونیورسٹی میں داخلہ لیتا چاہا۔

پاپا کو سن کر خیرت ہوئی جب اُس نے بتایا کہ وہ اسلامک اسٹڈیز میں لیسرچ کرنا چاہتی ہے۔ جب پاپا نے وجہ پوچھی تو اُس نے بتایا۔

”عیسائیت کے پرچار کے لئے ضروری ہے کہ اسلام کی رُوح کو سمجھا جائے۔ اور یہ جانا جائے کہ مسلمانوں کو کون سی بات اپیل کرتی ہے۔ یہ بہت جذباتی قوم ہے اور ہمیں ان کے جذباتوں کے حوالے کا علم ہونا چاہیے۔“

تو پاپا کس قدر خوش ہو گئے تھے۔ انہوں نے اپنی بیٹی کی پیشانی چوم لی تھی۔ اور کہا تھا۔

”واقعی میری بیٹی بہت ذہین اور عقل مند ہے۔“

یونیورسٹی میں اس بات کا بہت چرچا ہوا کہ ایک عیسائی لڑکی نے اسلامک اسٹڈیز میں داخلہ لیا ہے۔ سب لوگ اُس کی بہت حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ وہ ہر روز لائبریری سے بے شمار کتابیں نکلوا لاتی۔ پروفیسروں سے بحث و مباحثہ کرتی۔



ہونا کس قدر مشکل ہے۔ اور یہ کہ اس راہ میں اور کتنے مشکل مقام آئیں گے۔ محبت تھی کہ چڑھی آندھی کی طرح محیط ہوتی جا رہی تھی۔

اپنے بچوں کی طرح ایک دن انہوں نے بیٹھ کر فیصلہ کیا کہ خود ہی اس محبت کا گلہ گھونٹ دیں۔ رسوائی اور ذلت سے بچ جائیں۔ ایک دوسرے کو خوب سمجھ کر بھول جانے کی کوشش کریں۔

خیالات کے دھارے بدل دیں۔

جذبات کے منہ پر سرد سیلیں رکھ دیں۔

ملاقاتیں بند ہو گئیں۔ خوبصورت جگہوں پر بیٹھ کر باتیں کرنا انہوں نے چھوڑ دیا۔

سجیدگی کا لبادہ اوڑھ لیا اور ہر وہ تدبیر کر کے دیکھی جو اس ضمن میں کامیاب ہو سکتی تھیں۔ اسجد نے تو یونیورسٹی کی ایک اور سمارٹ لڑکی کے ساتھ پھرنا بھی شروع کر دیا

تھا۔ مگر ایک مہینے بعد ہی دونوں بوکھلائے ہوئے ایک دوسرے کی جانب دوڑے

آئے۔ کہ یہ سب کرنا انہیں بہت کھٹن نظر آ رہا تھا۔ زندگی عذاب ہوتی جاتی تھی۔ اور

وہ دونوں کالج کے کھلونوں کی طرح ٹوٹ پھوٹ جاتے تھے۔

تب انہوں نے اس بات کو آگے بڑھانے کے متعلق سوچا۔

اسجد کو معلوم تھا کہ بڑی ماں ہی مسلمان ہونے کی شرط رکھیں گی۔ اور فلورا کو یہ شرط

قبول کرنا پڑے گی۔

فلورا اچھیوں میں جب گھر گئی تو اس نے ماما پاپا کو سب کچھ صاف صاف بتا دیا۔

انہوں نے اس کی حوصلہ افزائی نہیں کی مگر لعنت طامت بھی نہیں کی۔ دونوں

میاں بیوی اس طرح خاموش ہو گئے جیسے انہوں نے کچھ سنا ہی نہیں اور عقلمندی

سے اس کا کوئی حل ڈھونڈنے لگے۔

پھر ماما نے آہستہ آہستہ اٹھتے بیٹھتے ہوئے اس کے کان میں ڈالنا شروع کیا کہ

قرینہ سے بچے ہوئے بال، کندن سا چمکتا ہوا رنگ اور بلا پتلا سراپا، ہنستا ہوا چہرہ۔

جانے فلورا کے ہاتھ کیوں کانپ گئے۔

اسجد اور اس کے دوست نے جلدی جلدی کتابیں سمینا شروع کر دیں اور فلورا کچھ شرمندہ سی اور کچھ پریشان سی کھڑی رہی۔

اسجد نے وہیں فرش پر کتابوں کو ایک دوسرے کے اوپر قرینے سے رکھا اور جب اٹھا کہ فلورا کی خدمت میں پیش کرنے لگا تو پہلے اس کی نظر اس کے جسم پر پڑ گئی۔

اُف خدایا۔

اتنا خوبصورت سراپا۔

اتنی پتلی کمر۔ اتنے مناسب اعضاء۔

اُٹھتے اُٹھتے نظر جب اس کے سانولے چہرے تک آئی تو شام کے مکھڑے پر

جیسے شفق چھوٹ رہی تھی۔ اور آنکھوں میں ایک سیاہ مگر پُر کیف رات کا سماں تھا۔

دو بارہ کتابیں اسجد کے ہاتھ سے گر گئیں۔ اب اس کا دوست قہقہہ لگا کر منہ

بیٹھ گیا۔

مگر اس ایک لمحے میں انہوں نے ایک دوسرے کو بتا دیا کہ کتابیں اتفاق سے

نہیں گر آئیں۔ پہلے ضبط کی دیواریں گرتی ہیں۔ پھر کتابیں گر جاتی ہیں۔

پھر تو ملاقاتیں بڑھیں۔ حجاب اٹھے۔ حمد و پیمائیاں ہوئے۔

مسئلے زیر بحث آئے۔

خاندان آڑے آئے۔

مذہب نے سو سو رکاوٹیں کھڑی کیں۔

کیا کچھ نہ انہوں نے خود ہی سوچ لیا وہ دونوں جانتے تھے کہ ان کا ایک جا



خدا جانے اسے اسلام کی سچائی معلوم کرنے کے بعد اسجد سے محبت ہو گئی تھی یا اسجد سے عشق کرنے کے بعد اسلام ہی دنیا کا سب سے اچھا اور سب سے سچا مذہب نظر آنے لگا تھا کہ اُس نے ایسا فیصلہ کر لیا۔

ماما اور پاپا اس کے فیصلے کو ایک جذباتی بغاوت سمجھتے رہے۔

اگلے سال جب وہ دوبارہ یونیورسٹی میں آئی تو اُس نے پھر گھر واپس جانے کا نام نہ لیا۔

اسجد نے بھی اس سے دو ٹوک بات کر لی تھی اور اپنے گھر کے سیٹ اپ کے متعلق سب کچھ بتا دیا تھا۔ بڑی ماں شادی سے پہلے اس لڑکی کو گھر میں رکھ کر صحیح مسلمان لڑکی بنانا چاہتی تھیں اور اسجد نے اسے بتایا تھا کہ یہی زندگی کے مشکل ترین دن ہوں گے اور یہی امتحان کڑا ہو گا۔ اس کی بہت سی عادتوں پر اعتراض کیا جاتے گا۔ اس کی بہت سی باتوں کو ناپسند کیا جائے گا۔ بار بار اُس کی انا کی توہین ہو گی۔ اُس کی جوانی کا غرور مچروح ہو گا۔ اس کو رو دنا بھی پڑے گا اور عصہ بننا بھی پڑے گا۔ عرض ہر قسم کا کرب جھینا ہو گا۔ اگر اس امتحان سے گزرنے کی اس میں ہمت ہے تو وہ بخوشی اس کے ساتھ چل سکتی ہے۔ لیکن گھر کی چھوٹی چھوٹی رنجشوں سے گھبرا کر اگر وہ دوسرے دن ہی واپس جانے کی ٹھان لے گی تو پھر اسجد بھی اُسے قبول نہیں کرے گا۔ خود اس کا کہیں ٹھکانا نہ ہو گا۔ ماما پاپا کہیں گے۔ دیکھا ہم نہ کہتے تھے کہ

”مذہب کا فرق سب سے بڑا فرق ہے“

سو اس نے اپنے تمام تر جذبولوں اور ہمتوں کو خاطر میں لا کر اسجد کے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ وہ ہر قسم کے حالات میں انتہائی ثابت قدم اور صابر لڑکی ثابت ہو گی تب اسجد کو یقین آئے گا کہ وہ اس کے ساتھ کس حد تک عشق کرتی ہے۔

شادی سے پہلے محبت جتنا عظیم جذبہ کوئی نہیں ہوتا۔ مگر شادی کے بعد محبت ثانوی درجہ اختیار کر لیتی ہے۔ مذہبی عادات و رسومات اور معاشرتی چلت پھرت بات بات میں جھگڑے کا سبب بن جاتی ہے۔ بچپن کی عادتیں انسان کی رُوح میں رچی بسی ہوتی ہیں۔ اسی محبت کی راہ میں ہر دوسرا جذبہ کاٹ بن کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ ننھی ننھی لڑائیاں بڑے بڑے جھگڑے بن جاتی ہیں اور اس طرح محبت نفرت کا روپ دھار لیتی ہے نچے ہو جائیں تو اُن کے لئے یہ دو غلا پن اور مصیبت بن جاتا ہے۔ ویسے وہ اسجد کی محبت کو دوسرے انداز میں بھی تو لازوال بنا سکتی ہے۔ وہ اُس کی محبت کو ہمیشہ کے لئے دل میں چھپا کر زندہ رہے۔ عیسائیت کی خدمت گزار بن جائے۔ ن بن جائے مگر زندگی کو ایک بہت بڑی ناکامی کے حوالے نہ کرے“

ماما! کیا ایسی لڑائیاں ان شادی شدہ لوگوں میں نہیں ہوتیں۔ جن کا مذہب ایک، کچھ ایک ہوتا ہے۔ ان کی علیحدگی کی کیا وجہ ہوتی ہے؟

”بیٹی! یہ امکان تو ہر شادی میں ہوتا ہے“

پہلے آپ کہا کرتی تھیں۔ بیوی کو عورت ہونے نا طے زیادہ ایثار کرنا چاہیے اور سب سے بڑا ایثار تو مذہب بدلنا ہے۔ جو عورت ایک مرد کے لئے یہ ایثار کر سکتی ہے۔ وہ ازدواجی زندگی کی خوشیوں کے لئے اور بھی بہت سی قربانیاں دے سکتی ہے۔

ماما چپ کر کے اُس کا منہ دیکھنے لگتیں۔ یہ وہ لڑکی تھی جس کی نس نس میں انہوں نے مذہب کی محبت اتاری تھی۔ اور جس کی ذہانت پر انہیں فخر تھا۔ اور جو پاکستان میں عیسائیت کے پرچار کے لئے اسلاک اسٹڈیز میں ایم اے کر کے اسلام کی رُوح کو سمجھنے لگی تھی۔

خود ہی اسلام کی اسیر ہو گئی۔



یہ فیصلہ کر کے اس نے ماما اور پاپا کو ایک مفصل خط لکھ دیا تھا۔ اور آخر میں لکھا تھا کہ وہ اسجد کی فیملی کے ساتھ رہنے جا رہی ہے اس لئے اسے ہوشل میں نہ خط لکھا جانے نہ خرچ بھیجا جائے۔

اگر آپ ریگوں کو یہ فیصلہ منظور ہو تو صرف مبارک باد کا خط بھیجیں۔ اگر میں اپنے جذباتوں کے ہاتھوں بے ہوش نہ ہوتی تو ایک سال بعد آپ کے نیاز حاصل کرنے آؤں گی۔

دو مہینے تک ماما اور پاپا نے خط نہیں لکھا تھا۔

پاپا سے تو اس نے خود ہی بڑی دلیری سے کہہ دیا تھا۔

پاپا، آخر آپ نے کالی کلونی ماما میں کیا دیکھا تھا، جو ان سے شادی کر لی اور یہیں تک گئے۔

”محبت کی آنکھیں نہیں ہوتیں، زبان نہیں ہوتی، مگر محبت اپنا آپ مہیا کرتی ہے، آپ مرد ہو کر دم سے بیٹھے اور نبھایا۔ میں عورت ہوں۔ اب مجھے باز رکھنے کی کوشش مت کیجئے۔“

پاپا نے اس کے بعد زبان نہیں کھولی، سمجھ لیا ہو گا کہ جوانی اور محبت بل کر ایک زبردست طاقت بن جاتے ہیں۔

اس محبت نے فاصلوں کی پردہ نہ کی۔

رنگ و نسل کی پردہ نہ کی۔

مذہب کی پردہ نہ کی۔

تاریخ شاہد ہے۔

زمانہ گواہ ہے۔

تو پھر اس کی منہ زودی کے آگے وہ کیوں بند بانڈ رہے ہیں۔

کہانیاں بستے ہیں۔

کہانیاں میٹ جاتی ہیں۔  
کہانیاں بنتی رہیں گی، جب تک دنیا قائم ہے۔  
وہ خاموش ہو رہے۔

اور دکو کی ایک صلیب اپنے کندھوں پر رکھ لی۔

تب

ایک دن فلورا اسجد کے ساتھ آگئی۔

فیصلہ کرنے میں اس نے بہت دن لگائے تھے اور اتنے زیادہ سوئے پہلو میں

جمع کئے تھے، جیسے کسی لشکرِ جرار کا سامنا ہو۔

پہلے دن، پہلی رات

سوئے بار گئے تھے، ہمت ٹوٹ رہی تھی۔

اور محبت سپا ہونے کو تھی۔

ہتک کیا ہوتی ہے،

جب تک اس کی ہتک نہ ہوتی تھی، اسے اندازہ ہی نہ ہوا تھا۔

اور کسی اجنبی ماحول میں اس حیثیت سے رہنا کتنی بڑی ڈھٹائی ہے ڈھٹائی

سے جیسا کہ قدرِ ذلت آمیز ہے اور ذلت کیسی اذیت ناک ہوتی ہے۔

فلورا اوزدھی لیٹی روتی رہی۔

ہچکیاں لیتی رہی۔

ماما، پاپا۔ اس نے انہیں بار بار یاد کیا۔

کتنا پیار تھا ان کے پاس اس کے لئے۔

جس کو اس نے ٹھکرا دیا، بچپن کے وہ تمام احسانات بھول گئی۔ اس شادابی

وادی میں پھولوں سے گھرا اس کا پیار پیارا گھر

One Urdu Forum . Com



وہ اس کی گڑبڑوں والی الماری، جہاں دیس دیس سے لائی گئی تمام گڑبڑیں اب  
 نبی مانا نے سنبھال کر رکھی ہوئی تھیں۔

پاپا رذرات کو اس کی پیشانی چوم کر سوتے تھے، ماما صبح صبح ٹرے میں چائے  
 لگا کر اس کے لئے لاتی تھیں۔ انہوں نے کتنے ارمانوں سے اُسے پالا، اُس کی ہر  
 جائز و ناجائز خواہش پوری کی۔

جب وہ بڑی ہو گئی۔

سیانی ہو گئی۔

اس دنیا میں رہنے کے قابل بن گئی، تو اُس نے انہیں ٹھکرا دیا۔

صرف اسجد کے لئے۔

آخر اسجد اس کا کیا لگتا تھا۔

بالکل غیر ایک اجنبی سا لڑکا۔

پراس اجنبی سے لڑکے کے لئے اس کے دل نے دھڑکننا سیکھا۔ جذبات نے

بھڑکننا سیکھا، تن من کا سودا کر لیا اُس نے۔

تجھی کتے ہیں محبت اندھی ہوتی ہے، عشق دیوانہ ہوتا ہے۔

میں نے کچھ بھی نہ دیکھا اسجد!

یہ نہیں نے کیا کر دیا۔

اب آگے اندھیرا ہے، اور مجھے کچھ نظر نہیں آتا، اگر تم نے بھی بیچ منجھار میں چھوڑ

دیا تو کیا ہوگا۔

ماما مجھے معاف کر دو۔

پاپا مجھے بخش دو۔

میں نے آپ کو دکھ دیا ہے، میری اذیت کی ابتداء ہو گئی ہے جانے کہاں

کہاں ٹھوکریں کھاؤں گی۔

جانے کیسی کیسی ٹھوکریں کھاؤں گی میں۔

میں نے اپنی زندگی عشق کے حوالے کر دی ہے۔

عشق ہی میرا باپ ہے۔

عشق ہی میری ماں ہے۔

عشق ہی میرا مذہب ہے۔

عشق ہی میرا خدا ہے۔

ماما، مجھے بددعا نہ دو۔

پاپا، مجھے برا بھلا نہ کہو۔

ادیسوع مسیح!

اد عظیم تر بیسوع مسیح!

مُصیبت میں کام آنے والے راستہ دکھانے والے،

رودستی دکھانے والے،

میری مدد کر

میری مدد کر

مجھے رودستی دکھا!

مجھے راہ دکھا!

One Urdu Forum . Com



بیچ کر دیکھ لیتے تھے، انگلش پکچرز کا کسی کو ذوق ہی نہ تھا، اس لئے جس دن انگلش پکچر ہوتی وہ عام طور پر ٹی وی جلد بند کر دیتے، تب وہ اندر ہی اندر کرسی پر جا کر کس طرح ان لوگوں سے کھٹے کر انگلش فلم دیکھے بنا اس کا نشہ ٹوٹا جا رہا ہے۔

مگر یہاں تو اس نے بہت ہی گھر ملیو اور شریف بی بی بن کر رہنا تھا، کوئی ایسی حرکت نہ کرنا تھی جس پر ذرا سا بھی بیہودگی کا شائبہ ہوتا، حالانکہ اس گھر میں بھی کافی بے ہودگیاں ہوتی تھیں۔ لڑکیاں حد سے زیادہ فیشن بھی کرتی تھیں۔ کسی کے ناخن بڑھے ہوئے تھے کسی نے بال کٹوا رکھے تھے۔ کبھی کبھی ٹراؤزر پہن کر کالج جاتی تھیں۔ سبھیوں کے کپڑے جدید ڈیزائنوں کے تھے۔ ہلکا ہلکا میک اپ بھی کرتی تھیں۔ ریکارڈز بھی سنتی تھیں۔ اپنی آواز میں چنجتی چلاتی بھی تھیں اور فلموں کے بارے میں مفصل گفتگو بھی کر لیتی تھیں۔ ہر قسم کے رسالے خرید کر لاتی تھیں اور راتوں کو چھپ چھپ کر پڑھا کرتی تھیں۔ مگر اس نے ڈر کے مارے اپنے سامنے ٹراؤزر اور بلاؤز چھپا دیتے تھے۔

میکسیوں کو تہہ کر کے رکھ دیا تھا اسکرٹس کو ہوا نہیں لگاتی تھی۔ ساری سیلیوں قمیضیں تہہ کر کے بچسے کے نیچے رکھ دی تھیں۔ چٹنے ہوئے دوپٹے بھی کم استعمال کرتی۔ پوری آستینوں کی قمیض پہن کر اوپر کھلا دوپٹہ اس طرح اوڑھے رہتی کہ اس کا سازا جسم ڈھکا رہتا۔

شروع شروع میں جب وہ آئی تھی تو اس نے رات کو اپنی ناٹی نکال کر پہن لی تھی۔

انہی نے اسے دیکھا تو ناک بھوں پڑھا کر بولی۔

"یہ کیا ایکٹرسوں والا جھاگ جھاگ لباس پہن کر آئی ہو؟"

"کیوں، کیا ہوا؟" اس نے دل میں ناگواری محسوس کرتے ہوئے کہا۔

"بڑی ماں گھروں میں ایسے بے ہودہ لباس بالکل پسند نہیں کرتیں وہ کہتی ہیں ایسی

دس دن گذر گئے۔ اور جیسے عشق کی پہلی منزل آپ ہی آپ نے ہو گئی یہ دس دن بھی اس کے لئے گویا دس مرحلے تھے، ہر روز کوئی نئی بات ہو جاتی، ہر روز کوئی عجیب واقعہ ہو جاتا۔

کسی نہ کسی طرح اس کی خودی کو مجرد کیا جاتا۔

اور پھر خود سچو ذرخم مندل بھی ہو جاتے، یعنی ان دس دنوں نے اسے حالات کے ساتھ سمجھوتہ کرنے کا عادی بنا دیا تھا، یا یہ دس دن نمونہ تھے، آنے والے بے شمار دنوں کا۔

ٹھیک ہے۔ اس نے سوچا، جب ادکھلی میں سر دیا تو پھر دھمو کوں سے کیا ڈرنا؟ جب تک دم میں دم ہے، ہمت نہیں ہارنی چاہیے، یا بڑا اشت کی آخری حد تک حالت کا مقابلہ کرنا چاہیے۔

سچی بات تو یہ ہے کہ ان کے گھر میں اس کا ذرا بھی دل نہ لگتا تھا۔ کتنی پابندیاں تھیں، یہاں۔ لڑکے لڑکیاں آپس میں گھل مل کر ہنستے بولتے نہیں تھے، کوئی شام کو پکچر کے لئے تقاضا نہیں کرتا تھا۔ بس ٹی وی پر جو بھی بوگس سی پکچر دکھائی جاتی، سب



پڑھتی تھیں۔ بڑی ماں کا حکم تھا کہ شام کی نماز ضرور پڑھی جائے، اور سب بڑے مصلے پر اکٹھے ہو کر پڑھیں، مگر جو نبی شام کی اذان ہوتی، کوئی غسل خانے میں گھس جاتی، کوئی چھت پر چڑھ جاتی، کسی کالج کا کام یاد آجاتا۔ ایک آدھ لڑکی سامنے مصلے پر کھڑی ہو کر نماز پڑھتی دکھائی دیتی اور اُفتی تو سدا کہہ دیتی:

”مجھے نہیں پڑھنا“

ہاں جس شام بڑی ماں خود مصلے پر نماز پڑھنے آجاتیں تو ان کو دیکھتے ہی سب لڑکیاں وہاں جا کھڑی ہوتیں، ورنہ تو بڑی ماں زیادہ تر اپنے کمرے میں ہی نمازیں پڑھا کرتی تھیں۔ صلح کو گھر کے بزرگوں کے علاوہ کوئی بھی باقاعدگی سے قرآن کی تلاوت نہیں کرتا تھا کھانے پر اس نے کبھی کسی کو بسم اللہ کہتے نہ سنا تھا۔ بس ایسے ہی عام لوگوں کی طرح یہ لوگ رہتے تھے۔ مذہب ان کا کوئی اور نہ تھا، مگر ذرا مسلمان اور عیسائی کا سوال پیدا ہو جاتے تو کس قدر جذباتی ہو جاتے تھے، کوئی خاص بات اسے اس ماحول میں نہیں محسوس ہو رہی تھی، سوائے ایک گھٹن کے، دل سے اس نے اس ماحول کو قبول نہیں کیا تھا، یہاں گلیم کیا تھا۔ کچھ بھی نہیں۔

لیکن بظاہر اس کو یہ ظاہر کرنا تھا کہ وہ اس ماحول کو نہ صرف پسند کرتی ہے بلکہ اس میں رنج نہیں لگتی ہے۔ اس کو تو شادی کے بعد مسجد کے ساتھ سوئیڈن چلے جانا تھا، کونسا یہاں رہنا تھا۔ پھر وہ جس طرح بھی زندگی گزارتے۔ ان کی مرضی پر منحصر تھا۔

ویسے بڑی ماں کی شخصیت اسے بڑی ہی عجیب لگی۔ یوں وہ اس ساری اجدہانی کی مہارانی تھیں۔ گھر میں انہیں کا بسکہ چلتا تھا، مگر محسوس نہیں ہوتا تھا۔ وہ جتنی سخت گیر مشہور تھیں۔ اتنی سختی گھر میں بالکل نہ کرتی تھیں۔ جتنا جلال و دبدبہ ان کے چہرے پر تھا اتنی کرسٹلی ان کے احکامات میں نہیں ہوتی تھی۔ اس کی مثال اُفتی تھی جو اکثر گھر میں گستاخیاں اور بے ہودگیاں کرتی رہتی تھی، مگر بڑی ماں یوں ظاہر کرتیں جیسے انہیں علم

بے ہودگیاں اپنے شوہر کے گھر جا کر کرنا، لیکن خیر... تم تو اپنے ہونے والے شوہر کے گھر ہی آتی ہو۔

”افوہ۔۔ ان ریپارکس پر تو فلورا کا دل کٹ کر لہولہاں ہو گیا۔ اس کی انا کو اس قدر پوٹ لگی کہ بے اختیار اس کا دل چاہا، اُٹھ کر اس کے منہ پر تھپڑ مارے، اور اُفتی کے منہ پر تھپڑ مارنے کا مطالب تھا کہ وہ اپنی تقدیر کے منہ پر تھپڑ مار دے گی۔ خون کے گھونٹ پی کر رہ گئی۔“

”یو شڈ بی ان اسے پرور ڈریس۔“

افتی نے چبا چبا کر کہا۔

”جب ناشتے کی میز پر جاؤ، یا جب سونے کے کمرے میں جاؤ“ وہ اٹھی اور اُٹھ کر ناشی بدل دی، پھر اس کو تہہ کر کے باقی کپڑوں کے ساتھ رکھ دیا اور خود ہی ڈھیلی ڈھالی شلوار اور کرتا پہن کر سو گئی۔

یہ ناشی اسے پاپا کے ایک دوست نے اس کی اٹھارویں سالگرہ پر پیرس سے بھیجی تھی، بہت ہی خوبصورت ناشی تھی، وہ گھر میں پہنے پھر کرتی تھی، ماما اور پاپا نے کبھی اعتراض نہیں کیا تھا۔ مگر یہاں تو وہ خود ایسے اعتراض سننے آگئی تھی۔

یوں اسے بھی اس گھر میں بہت سی قابل اعتراض باتیں نظر آتی تھیں۔

مثلاً اس اُفتی کو ہی لے لو، بیس باتیں کی عمر تھی، خوب بھرا ہوا جسم تھا، بلکہ موٹی تازی تھی۔ مگر اسے کبھی احساس نہ ہوتا۔ کہ اس کے کپڑے اس کے جسم کے لئے موزوں ہیں یا نہیں۔ عجیب بے تکے پن سے کپڑے پہنتی، اور اکثر بغیر دوپٹے کے دن دن کرتی پھرتی اس کے اپنے گھونگھرایے اور گھنے بال تھے، مگر اس نے انہیں کٹوا کر بالکل چھوٹا کر دیا تھا ڈھنگ سے کوئی اسٹائل نہیں بناتی تھی، بلکہ سر پر ہمہ وقت ایک پھتہ پھلائے رکھتی۔ اسے دیکھ کر فلورا کو بہت بے چینی سی ہوتی، سب لڑکیاں باقاعدگی سے نماز بھی نہیں



افنی کی رات والی بات بار بار اس کے دل میں کچھ کے لگا رہی تھی اور دوسری مرتبہ میز پر بیٹھتے ہوتے وہ ہچکچا رہی تھی۔

رات کے کھانے کا بلاوا آیا تو وہ سب سے آخر میں گئی جب سب لوگ بیٹھ چکے تھے، جاتے ہی اس نے پہلے کے لگے ہوئے برتن ہٹا دیئے اور اپنے پلاسٹک کے برتن وہاں رکھ لئے۔

سجھوں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ اسجد کو سخت صدمہ پہنچا اسے امید نہیں تھی کہ اس گھر میں اس کے ساتھ ایسا سلوک کیا جائے گا۔

بڑی ماں نے دیکھا۔

کچھ دیر میز پر خاموشی چھائی رہی۔

پھر بڑی ماں نے خانساں کو بلایا اور کہا۔

”یہ پلاسٹک کے برتن اٹھا کر لے جاتے اور یہاں میز پر ہر روز کی طرح ایک جیسی پلیٹیں لگا دے۔“

اس دن کوئی نہیں بولا، سب نے کھانا خاموشی کے ساتھ کھایا، فلورا کو تو بڑی ماں کی کوئی بات ہی سمجھ میں نہ آئی تھی۔

کبھی ان کا کوئی پہلو نظر آتا، اور کبھی کوئی۔

ابھی تک وہ ان کے باسے میں کوئی اندازہ نہیں لگا سکی تھی۔

دو تین دن تک وہ گھر میں بیٹھی بوری ہوتی رہی اور اپنے ماہی کو یاد کرتی رہی۔

پھر ایک دن بڑی ماں نے اسے اپنے کمرے میں بلایا اور بولیں:

”تم صبح سے یونیورسٹی جاسکتی ہو؟“

”جی اچھا بڑی ماں!“

”کتنے دنوں کا کام رہ گیا ہے تمہارا؟“

ہی نہیں۔ اور شکر ہے، اس رات کے بعد ذرا افنی کے مزاج بھی درست ہوتے تھے، جس رات بڑی ماں نے اسے اپنے کمرے میں بلایا تھا۔ جانے انہوں نے اسے کیا کہا تھا۔

کہ اسے اس گھر میں دوبارہ عیسائی ہونے کا طعنہ نہیں بلا۔ البتہ اسی صبح اس نے افنی میں عجیب و غریب تبدیلی دیکھی تھی۔ رات کو وہ رد رو کر سو گئی تھی، صبح جب اس کی آنکھ کھلی تو افنی جاگی ہوئی تھی۔ اسے اٹھتے دیکھ کر خوش دلی سے بولی۔

”گڈ مارننگ مس جوزف!“

اور کچھ نہ سوچتے ہوئے فلورا نے بھی گڈ مارننگ کہہ دیا تھا۔

پھر وہ سارا دن ہنس ہنس کر اس سے باتیں کرتی رہی تھی۔ سب لڑکیاں اسکولوں اور کالجوں میں چلی گئی تھیں۔ گھر پر ایک خاموشی اور وحشت سی چھا گئی۔ گھر کے اندر بیسے ایک مشینری سی سرگرم عمل ہو گئی۔ صبح جاتے وقت اسے اسجد کی صرف ایک جھلک نظر آتی تھی، دور سے اس نے اسے خدا حافظ کہا تھا۔

اسجد کس قدر بے گانہ بن گیا تھا یا بن رہا تھا۔

سارا دن وہ عجیب شش و پنج میں رہی، گو اس کے فائنل امتحان ہو چکے تھے، مگر ابھی تھیں کامرہ لہ جاتی تھی۔ اور اس کے لئے اسے لائبریری میں جانا تھا، اسجد نے کہا تھا، سب ٹھیک ہو جائے گا، اسی لئے تو وہ فائنل کا امتحان دیتے ہی اس کے ساتھ آگئی تھی۔ اچھا ہوتا اگر وہ تھیں کام بھی مکمل کر کے آتی، پتہ نہیں اس کام کے لئے یہاں پر ذہنی سکون میسر آسکے گا یا نہیں۔

دوپہر کو جب ساری لڑکیاں آگئیں تو وہ بڑی ماں سے پوچھ کر ذرا قدسیہ مارکیٹ تک گئی اور وہاں سے اپنے لئے دو پلیٹیں، ایک گلاس اور ایک پریج پیالی لے آئی تھی۔ پلاسٹک میں یہ چیزیں سستی مل گئی تھیں۔

دوپہر کو جب ساری لڑکیاں آگئیں تو وہ بڑی ماں سے پوچھ کر ذرا قدسیہ مارکیٹ تک گئی اور وہاں سے اپنے لئے دو پلیٹیں، ایک گلاس اور ایک پریج پیالی لے آئی تھی۔ پلاسٹک میں یہ چیزیں سستی مل گئی تھیں۔

دوپہر کو جب ساری لڑکیاں آگئیں تو وہ بڑی ماں سے پوچھ کر ذرا قدسیہ مارکیٹ تک گئی اور وہاں سے اپنے لئے دو پلیٹیں، ایک گلاس اور ایک پریج پیالی لے آئی تھی۔ پلاسٹک میں یہ چیزیں سستی مل گئی تھیں۔

دوپہر کو جب ساری لڑکیاں آگئیں تو وہ بڑی ماں سے پوچھ کر ذرا قدسیہ مارکیٹ تک گئی اور وہاں سے اپنے لئے دو پلیٹیں، ایک گلاس اور ایک پریج پیالی لے آئی تھی۔ پلاسٹک میں یہ چیزیں سستی مل گئی تھیں۔



ہنسی مذاق کی باتیں ہوتیں، ہجر و فراق کے قصے ہوتے، ددریوں کی داستاںیں بیان کی جاتیں اور گھر میں ہونے والے واقعات کی ذرا ذرا سی تفصیل فلورا اسے بتاتی۔  
اسجد جان بوجھ کر ایک گھنٹہ پہلے گھر سے نکل آتا۔ دس بجے اس کی کلاس شروع ہوتی تھی، پھر وہ ادھر چلا جاتا اور فلورا بڑے سکون سے لائبریری میں بیٹھ کر اپنے تھیس کا کام شروع کر دیتی۔

ایک بجے جب وہ فارغ ہوتی تو ڈرائیور اسے لے آتا تھا۔  
گھر میں اگرچہ لوگ بڑی ماں کے اس رویے پر حیران تھے، کہاں تو اسجد کی شادی کی مخالفت ہو رہی تھی اور اسے ایک عیسائی چھو کڑی کے منتر سے نکالنے کی تدبیریں ہو رہی تھیں اور کہاں انہوں نے دونوں کو ملنے کی کھلم کھلا اجازت دے دی تھی۔  
بس بڑی ماں کے بھی کیا کہنے، خالی خولی رعب جھاڑنا انہیں خوب آتا ہے، اس کو دباتی ہیں جو کمزور ہو۔ ذرا اسجد کی مرضی کے خلاف تو کڑے دیکھیں۔ اس گھر میں ہمیشہ بڑوں کو بہت زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔ اسی لئے تو لڑکے اس گھر پر تھوک کر باہر چلے جاتے ہیں۔

اتنی حسب عادت جب اپنا زہر نکالتی تو شفقت اسے سمجھانے بیٹھ جاتی۔  
"دیکھو انی، تم بڑوں کی مصلحتوں کو نہیں جانتیں، ہر وقت اول فول نہ بکا کرو۔"  
"جی ہاں، اب ساری دنیا اندھی ہے نا، یہ بھی نہیں دیکھ سکتی کہ اسجد بھائی روز صبح اپنی کالی محبوبہ کو ساتھ لئے سڑکوں پر فرارے بھرتے پھرتے ہیں۔ ایسے میں بڑی ماں کا مذہب، ماحول اور معاشرہ کیا کہتا ہے۔"  
"ٹھیک ہے، مگر ہم کیا جانیں کہ بڑی ماں نے کس گہری مصلحت کی بنا پر انہیں اجازت دے رکھی ہے؟" شفقت کہتی۔

"نہیں جی، بڑی ماں کو تو صرف اس خاندان کی لڑکیوں کو دبانا آتا ہے، اگر ہمیں اس

"یہی کوئی پندرہ بیس دن لگ جائیں گے، تھیں تو مکمل ہو گیا ہے۔ اس کو ٹائپ کر ڈانا ہے، پھر سب مٹ کر نا ہو گا۔ اس کے فوراً بعد واسے وا" ہو جائے گا۔"  
"تو ٹھیک ہے، صبح کو تم اسجد کے ساتھ ہی یونیورسٹی چلی جا کر۔"  
"جی۔ جی۔"

اس نے اپنی خوبصورت آنکھیں پھاڑ کر بے لبتی سے بڑی ماں کو دیکھا۔  
ایک ہی گاڑی ہے جو صبح مختلف اسکولوں اور کالجوں میں بچیوں کو چھوڑنے جاتی ہے۔ بلال ہوشل ہی میں رہتا ہے۔ یونیورسٹی کی طرف صرف اسجد ہی جاتا ہے تمہارا اکیلے جانا بھی ٹھیک نہیں ہے، اس لئے تم اسجد کے ساتھ سوزو کی میں بیٹھ کر چلی جا کر۔ ہاں اپنا واپسی کا صحیح ٹائم تم ڈرائیور کو بتا دینا، واپسی پر وہی تمہیں لے آیا کرے گا۔"  
"جی اچھا بڑی ماں۔"

فلورا کا دل ابھی تک دھڑک رہا تھا۔ کہاں تو اتنی روانتوں کی پابند اور سخت گیر بڑی ماں، اور کہاں یہ التفات کہ اسجد کے ساتھ یونیورسٹی چلے جانے کی اجازت دیدی کہیں یہ بھی ان کی طرف سے ایک امتحان نہ ہو۔  
اس کے دل میں پھر ایک فہشہ سا آکر بیٹھ گیا۔  
صبح کو وہ بڑی سادگی سے تیار ہوتی اور شرماتی لجاتی باہر کو لپکتی جہاں اسجد بظاہر بے نیاز بنا اپنی سوزو کی لئے کھڑا ہوتا۔

جب وہ اچک کر بیٹھ جاتی تو وہ ہوا ہو جاتا، جب تک وہ لوگ کالونی کی حد میں ہوتے تو اسے یوں محسوس ہوتا جیسے کونے کھدرے ہر موڑ سے بڑی ماں کی کشادہ اور روشن روشن آنکھیں جھانک رہی ہیں اور کہہ رہی ہیں۔

"ہم نے تم پر اعتماد کیا ہے، دیکھنا اپنی لاج تمہارے اپنے ہاتھ میں ہے۔"  
لیکن جب وہ اپنی کالونی کی حدود سے نکل جاتے تو پھر اسجد خوب چمکنے لگتا،



یا کوئی پکچر ہوتی تو سب ایک جگہ بیٹھ کر دیکھتیں، خوب ہنسی مذاق ہوتا، ہنگامہ ہوتا۔ ایسے میں بڑی ماں دانستہ ان کی محفل میں آکر نہیں بیٹھتی تھیں۔ البتہ بی بی آپا ضرور آکر بیٹھ جاتی تھیں۔

کبھی کبھی جب بلال چھٹیوں میں گھر آیا ہوتا تو وہ ان کے مذاق کا خوب خوب نشانہ بنا خصوصاً ان کی کاروبار اس کے ساتھ خاصا ہتک آمیز ہوتا، ویسے تو ہر وقت سب کو کچھ کے لگاتی رہتی تھی۔ بخششی وہ کسی کو نہیں تھی۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ حقیقت میں خفا کس سے رہتی ہے۔

جس دن ٹی ڈی پر پنجابی فلم چل رہی ہوتی تو وہ خاص طور پر سب کو بول کر تھی۔ بار بار ٹی ڈی بند کر دیتی اور جب کوئی گانے کا سین آتا تو ادھم مچانے لگتی کہ:

”سب پر سے پر سے ہٹ جاؤ، ہیر و تن اتنی زور سے کوڑے گی، ممکن ہے آپ کی گود میں آ رہے“

”خدا کے لئے انی چپ ہو جاؤ، دیکھنے دو“

کوئی منت کرتا تو بچھ کر کہتی:

”کیا دیکھنے دو ان کو، سمجھ میں نہیں آتا، ان کے ذوق کو کیا ہو گیا ہے۔ ان فلموں میں کیا ہوتا ہے۔ آبا جان جیسے ہیرو، مصنوعی کو لہوں اور دو سیر مسکائے والی ہیروئن۔ ایک ہی جیسی کہانی، ایک ہی جیسا لباس، ایک ہی فارمولا، بس گانے ذرا مختلف ہوتے ہیں“

”اچھا جو بھی ہے ہمیں دیکھنے دو“ نذرانہ کہتی۔ ”ٹی۔وی آن کر دو“

”کیا دیکھنا ہے، ساری کہانی میں تمہیں سنا دیتی ہوں، کہانی عام طور پر یوں شروع ہوتی ہے کہ ایک زمیندار کا بچہ یا بچی اس کے دشمن کے ہاتھوں اغوا ہو کر کسی دشمن مزارع کے گھر پہنچ جاتا ہے۔ جوان ہو کر لڑکا تو مزارع کی زمین لڑکی سے محبت کرنے لگتا ہے۔ لڑکی ہو تو اس پاس کوئی جاذب نظر جوان آدمی ڈھونڈ لیتی ہے، پھر اس کے سر پر گانے

طرح پنجرے میں نہ پالا ہوتا تو ان لڑکوں کی کیا مجال تھی جو باہر کی آوارہ تیلیوں کے پیچھے بھاگتے“

”انی۔ انی۔ شفق اسے سمجھاتی۔

”کبھی کسی کو آوارہ نہیں کہتے، بس ساری قسمت کی بات ہوتی ہے“

”تم تو نہ معلوم کیسا ذہن لاتی ہو، کیسا دل سے تمہارا شفق، تم میری سگی بہن ہو، لیکن خدا کی قسم مجھے تم پر ہمیشہ حیرت ہوتی ہے۔ تمہیں کبھی اپنے حق میں بولنا نہ آیا۔ حق تلفی چھلانا نہ آیا، تمہیں کہیں راسخہ ہونا چاہیے تھا“

”اچھا تم بولیوں بولتی ہو، چلا سکتی ہو، بھڑاس بھی نکالنا جانتی ہو، تمہیں اس سے کیا حاصل ہوا ہے؟“ شفق نے بڑے درد سے پوچھا۔

”کیا تم حالات بدلنے میں کامیاب ہو گئیں؟“

”ہوں یا نہیں، مگر کم از کم سچ کو سچ اور جھوٹ کو جھوٹ کہہ کر دل کو تسلی تو کر لیتی ہوں، سب مجھ سے ذبے ہیں“

”کوئی کسی سے نہیں دبتا انی، تقدیر کے آگے سر جھکا پڑتا ہے۔ نفرت سے نہیں محبت سے“

”خیر۔ خیر۔ میں کچھ ایسی فرشتہ صفت بھی نہیں ہوں اور اتنی نیکیاں سمیٹ کر نہ کیا کر دگی، کچھ دوسروں کے لئے بھی چھوڑ جاؤ“

نازک سی، چھوٹی سی، پیاری اور صلح بوشفق بالکل خاموش ہو جاتی۔ اس نے اپنے چہرے پر کبھی ظاہر نہیں ہونے دیا تھا کہ وہ آزرده ہے، ہاں وہ اُن کی بے ہودگیوں، بد تمیزیوں، رگتانیوں کے آگے ڈھال بن کر کھڑی ہو جاتی تھی۔ شاید اسی وجہ سے سب اُن کو کچھ میں کہتے تھے، فلوراکو بھی شفق کی عادت بہت پسند آتی تھی۔ باقی لڑکیاں بھی بہت ہی تھیں۔ خوب گھل مل کر آپس میں باتیں کرتیں۔ رات کو ٹی۔وی پر کوئی اچھا ڈرامہ ہوتا۔



”جی ہاں، غلط سلطہ انگریزی بول کر رعب نہیں ڈالتی“

”رعب کون ڈال رہا ہے؟“

”جو کہ ٹیوں کی طرح پنجابی نا انگریزی بولتا ہے“

ایسے میں فلورا کا دل حلق تک آجاتا۔ شروع سے انگریزی سکول میں پڑھی تھی۔ گھر میں سب انگریزی بولتے تھے۔ گو وہ اردو اور پنجابی بھی بول لیتی تھی۔ مگر عادتاً باتیں کرتے کرتے بیچ میں انگریزی بولنے لگتی تھی۔

”بہت برے لگتے ہیں مجھے وہ لوگ جو خواہ مخواہ جعلی عکس ڈالنے کے لئے انگریزی کا

کسہارا لیتے ہیں۔ اصل میں وہ احساس کمتری کے مریض ہوتے ہیں“

”جی ہاں، آپ نے جو تعلیم ادھوری چھوڑ دی ہے، اب بیٹھی دوسروں کے ساتھ چلتی ہوئی سلطنت بھی غصے میں آجاتی۔“

”کیوں جی، میں نے کب ادھوری چھوڑی ہے۔ فرسٹ ڈویژن میں ایف۔ اے

پاس کر کے اپنی خوشی سے پڑھاتی چھوڑ دی ہے۔ اگر پڑھتی رہتی تو اب تک یونیورسٹی میں

اپ کر چکی ہوتی۔ اور انگریزی بھی آپ سب سے اچھی بولتی ہوں“

”اسی لئے انگریزی ناول پڑھ پڑھ کر تم سب پر جعلی عکس ڈالا کرتی ہو“

”ہاں ڈالتی ہوں، مگر غلط لب و لہجے میں انگریزی نہیں بولتی“

”اچھا اب بکو نہیں“

”تمہاری تو میں بھی ساری ایسے ہی لٹک لٹک کر انگریزی بولتی ہیں“

”تو تم لگ جاؤ مس جا کر محترمہ عالمہ فاضلہ صاحبہ“

”میری جاتی ہے جوتی، اگر مجھے، پڑھنے کا شوق نہیں تو پڑھانے کا کیا ہوگا“

”تو پھر زبان بند رکھا کرو“

”نہیں رکھوں گی۔ غلط کو غلط اور صحیح کو صحیح کہوں گی“

اور دھملائیں سوار ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ ایسے موقعوں کے لئے اس کو بہترین اور جدید ملبوسات مہیا کئے جاتے ہیں۔ اس لئے محنت کرنے کے بعد ہیروئن کا صرف یہ کام رہ جاتا ہے۔ فلم کو پوریت سے بچانے کے لئے دقت بے دقت ناچے، گانے گائے۔ اور ہیرو ایک ہوتی انسان کی طرح اس کے اشاروں پر ناچار ہے۔

ہاں بیچ میں دو چار لڑائیاں، ہاتھ پائیاں بھی ہوتی ہیں۔ لکڑی کے مصنوعی گھر ٹوٹتے ہیں اور گھروں میں کچے ٹنگے ضرور رکھے ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ جلدی ٹوٹ جاتے ہیں، دوسرے توڑ پھوڑ کا اچھا تاثر دیتے ہیں۔

جیل اور عدالت دکھانا بھی اشد ضروری ہوتا ہے۔ خیر جی۔ آخر میں ظالم کیفر کر دیا کو پہنچتا ہے۔ اور بھاری کولے دار ہیروئن کو خواہ مخواہ لپٹی نظر آتی ہے۔

اس کی یہ باتیں سن کر ادھی لڑکیاں سسل سنستی رہتی تھیں، اور باقی منت کرتی رہتیں ”اُنی، زیادہ اسٹیک پوئل بننے کی کوشش نہ کرو۔ چلو تفریح کی خاطر سہی، فلم دیکھنے دو۔ اس میں بیچاری ہیروئن یا ہیرو کا کیا تصور؟ جب کہانی کے تقاضے ہی ایسے ہوتے ہیں۔“

”تو جی پھر تم کیا کریں، اس کی سزا ہم کیوں اٹھائیں، تم سے کم میں یہ بے ہودگی ہر منہ پر برداشت نہیں کر سکتی“

اور منت کرتے کرتے، وہاں تو تکار شروع ہو جاتی۔ کبھی کبھی بڑی بد مزگی ہو جاتی۔

ساری کونز اسے جلی کٹی سنا کر چلی جاتیں۔ مگر دوسرے دن پھر اسی مرکز پر جمع ہو جاتیں۔

یوں بھی جب سب لڑکیاں آپس میں بیٹھی اردو انگریزی کی آمیزش سے گنگا جہنی زبان بول رہی ہوتیں تو افنی ٹپک پڑتی۔

”سلطنت پمیز تم پنجابی میں انگریزی نہ بولا کرو، میرے ذہن میں کھلی ہونے لگتی ہے“

”کو اس بند کرد افنی، تمہیں تو عادت ہے، ہر ایک میں نقص نکالنے کی“



”تمہارے اندر تو غلط اور صحیح کو ناپتے کا پیمانہ ہی نہیں ہے، اپنے سوا ہر شے تمہیں  
غلط نظر آتی ہے“

”مجھے اپنی ذات پر اعتماد جو ہے“

”ذات دیکھوان محترمہ کی بے ڈھنگی، بے ہودہ، سخت بور“  
”سلطنت کی بچی“

”اُفتی اسے مارنے کو دوڑتی اور پھر کوئی بیج بچاؤ کر دیتا۔

اور فلورا چپ چاپ یہ نظارے دیکھا کرتی، نہ وہ کسی کی حمایت میں بول سکتی تھی، نہ  
شکایت میں۔ وہ ایسی پوزیشن میں نہیں تھی۔ ابھی وہ چپ رہتی تھی تو اُفتی اس کے بجائے ادھیڑی  
رہتی تھی، جو بول پڑتی تو جانے اس کا کیا حشر کرتی۔

دس دنوں میں اُس نے اٹھنے بیٹھنے اور بولنے چالنے میں اتنی احتیاط کی تھی،  
جیسے کہ وہ بھی کوئی بلوریں گڑیا ہو، سانس لینے میں ٹوٹ جاتے گی۔  
اسجد کی ہر روز کی یقین دہانیوں نے اُسے جو صلہ ضرور بخشا تھا، اس لئے ہر روز  
وہ ایک نئے عزم اور نئی امید کے ساتھ اٹھتی رہی تھی۔  
یوں یہ دس دن جو دس صدیاں بن کر گزے تھے، اس کو ایک مرحلے پر لے  
تے تھے۔

شام کو جب بڑی ماں نے مغرب کی نماز کے بعد اُسے اپنے کمرے میں بلا بھیجا تو  
سیلے پر صلیب کا نشان بناتی وہ اُن کے کمرے میں پہنچی۔

”او فلورا، یہاں بیٹھ جاؤ“

”بیٹی میں نے تمہیں اس لئے تکلیف دی ہے کہ آج معلوم کر لوں کہ تم نے کیا  
فیصلہ کیا ہے؟“

”فیصلہ — جی کس بات کا؟“ اُس نے ہمیشہ والے بوکھلائے ہوئے  
انگلیوں میں کہا۔



اس طرح مت رو دو۔ میں نے تو یہ موقع نہیں محض اس لئے دیا تھا کہ بعد میں تم اپنے فیصلے پر نہ پچھتاؤ۔ لیکن اگر تم اپنے فیصلے پر ثابت قدم ہو تو میں بھی اپنے وعدے پر قائم ہوں۔ جاؤ اب جا کر منہ ہاتھ دھو لو۔“

فلورا اٹھ کر باہر چلی گئی۔ بڑی ماں نے کوئی اس نہیں دلائی تھی، کوئی وعدہ نہیں کیا تھا۔ کوئی خوب صورت بات نہیں کہی تھی۔ بڑی ماں یونہی پہیلیوں میں باتیں کیا کرتی تھیں۔ اگلے کی سمجھ میں کچھ بھی نہ آتے۔

وہ آنکھیں پونچھتی ہوتی باہر نکل آئی۔ وہاں سب لڑکیاں اس کی منتظر تھیں، کہ جانے بڑی ماں نے اسے کس لئے بلایا تھا، مگر اس کو آنسو پونچھتا دیکھ کر سب ہی خاموش ہو گئیں۔ کسی نے نہ پوچھا کہ اندر کیا ہوا ہے، بس سمجھ لیا کہ معامہ نازک ہے، صحتی کھانق نے بھی اس وقت کوئی کچھ کا نہ لگایا۔

کھانق کے وقت تک خاموشی رہی، جب کھانق نے کا بلاوا آیا تو فلورا کا ذرا بھی دل نہیں چاہ رہا تھا۔ میز پر جانے کو، اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ یہیں سے بھاگ جائے، مگر کیسے بھاگ سکتی تھی۔ آزاد ہوتے ہوئے پابند تھی۔ اور یہ زنجیریں اس نے اپنے پاؤں میں خود ڈالی تھیں۔

کھانا بھی معمول کے مطابق کھایا گیا۔ بس اسجد بیٹھا فلورا کی سوچی ہوئی آنکھیں دیکھتا رہا۔ کاش اس کا بس چلتا تو وہ سوچی ہوئی آنکھوں کو چوم لیتا، بے چاری لڑکی اس کی خاطر جانے کیا کیا سہم رہی تھی۔

جب کھانا ختم ہو گیا تو اچانک بڑی ماں بولیں:

”آج چاند کی کیا تاریخ ہے؟“

”آج بارہ ہے۔“ بی بی آپا نے جواب دیا۔

”اچھا، تو شب برات کب ہے؟“

بڑی ماں نے حیرت سے نظر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا، تھوڑی دیر خاموش رہیں۔ یہ اندازہ لگانے کے لئے کہ کہیں وہ بن تو نہیں رہی، مگر اس کے چہرے کی سادگی کو پڑھ کر دوبارہ بڑی شائستگی سے بولیں۔

”میں نے تمہیں سوچنے کے لئے دس دن دیئے تھے۔“

”جی... جی...“ ابھی ان کا فقرہ پورا نہیں ہوا تھا کہ فلورا بول اٹھی، پھر اپنی بد تیزی پر خود ہی جھینپ گئی اور رگ رگ کر کہنے لگی۔

”جی میں نے تو... فیصلہ اسی دن کر لیا تھا... جی... وہ میں نے آپ کو بتا بھی دیا تھا... جی... مجھے سب منظور ہے۔“

”کیا سب؟“

”جی وہ... سب کچھ... یہ ماحول... مذہب... جو کچھ بھی آپ کہیں مجھے منظور ہے۔“

پھر اس نے ڈرتے ڈرتے پلکیں اٹھا کر بڑی ماں کے چہرے کی طرف دیکھا، وہاں بے یقینی کے سائے دیکھ کر اسے رون آ گیا۔ جلدی سے بڑی ماں کے قدموں میں بیٹھ گئی اور رو رو کر کہنے لگی۔

”بڑی ماں پلیز مجھے قبول کر لیں... جیسی بھی ہوں قبول کر لیں۔ اب میں واپس لوٹ کر نہیں جاسکتی، مجھے تو یوں محسوس ہونے لگا ہے، میں اسی گھر کی ایک فرد ہوں، یہیں پلی بڑھی ہوں، مجھے یہیں رکھ لیں۔ میں اسجد کی خاطر نیا ختم لینے کو تیار ہوں پلیز بڑی ماں... پلیز...“

اس نے زور سے بڑی ماں کے پاؤں پکڑ لئے اور اس کے گرم گرم آنسو بڑی ماں کے گوسے گوسے پاؤں پر گرنے لگے۔

”اچھا ٹھیک ہے۔“ بڑی ماں نے جھک کر اسے اٹھایا۔ اٹھو۔ اور اوپر بیٹھ جاؤ،



”پرسوں بڑی ماں“

”پرسوں کیا دن ہے؟“

”جمعرات ہے“

”تو ٹھیک ہے“

وہ کھوڑی دیر خاموش بیٹھی سوچتی رہیں۔

تو بہ ہے۔ فلورا نے دل میں سوچا۔ سسپنس کری ایٹ کرنا تو یہ بڑھیا خوب جانتی ہے۔

بڑی ماں نے سر اٹھایا، پہلے مسجد کی طرف دیکھا اور پھر فلورا کی طرف، دونوں کے دل ایک ساتھ دھڑک اُٹھے، پھر گویا ہوتیں۔

”پرسوں جمعرات کی شام کو انشاء اللہ اسجد اور فلورا کا نکاح ہو جائے گا“

سب بے ہوش ہوتے ہوتے بچے۔

اس سے پہلے مولوی صاحب آکر فلورا کو مسلمان کریں گے اور مسلمان ہوتے ہی یہ اسجد کے نکاح میں آجائے گی، اور یہ سب میں شب برات کی اس مقدس رات میں اس لئے کر رہی ہوں تاکہ فلورا کے لئے بھی یہ رات ہمیشہ ہمیشہ کے لئے یادگار رات بن جائے۔

”کیوں بیٹی“ انہوں نے فلورا کی طرف دیکھا۔

خوشی اور شرم کے مائے فلورا نے گردن جھکالی، اتنی کہ اس کے سینے سے جا لگی۔

”بڑی ماں دی گریٹ“ اسجد نے کھڑی ہوتی ہوئی بڑی ماں کے گلے میں باہیں ڈال

دیں۔ اور لڑکیوں نے بھاگتی ہوئی فلورا کو گھیرے میں لے لیا۔

شب برات کے روز گھر میں خوب ہنگامہ تھا۔ اسکولوں اور کالجوں میں چھٹی تھی اس لئے گھر میں اور بھی گہما گہمی نظر آرہی تھی۔

کالونی میں یہ خبر زور شور سے گشت کر رہی تھی کہ شام کو اسجد اور فلورا کا نکاح ہے کئی عورتیں پیشگی مبارک باد دینے یا تصدیق کرنے چلی آرہی تھیں، اور اس کا رنامے کو بھی بڑی ماں کے نام سے منسوب کئے جا رہی تھیں کہ وہ ایک عیسائی لڑکی کو مسلمان کر کے اپنی بہن بنا رہی ہیں۔

لڑکیوں کو فکر کہ رات کو کیا پہنیں گی، گو گھر پوسی تقریب تھی۔ مگر ہر کوئی ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر تیار ہونا چاہتا تھا۔

صبح ہی صبح بڑی ماں نے بی بی آپا کو اپنے کمرے میں بلایا اور انہیں ایک نہایت بیش قیمت گلابی رنگ کی بنا رسی ساڑھی دی اور بولیں:

”بلاؤ زہیں اس کے ساتھ ہے، مشین رکھ کے، ابھی فلورا کے ناپ کا بلاؤ زسی

دیں، کیونکہ رات اسے یہی ساڑھی پہنانا ہے“

ہائے۔ لڑکیاں تو ساڑھی کو دیکھ کر مر گئیں۔ اتنا خوبصورت رنگ تھا۔ اس پر بنا رسی



فلورا کے دل میں ایک برہمی سی لگی۔  
 تھوڑی دیر پہلے وہ کتنی خوش تھی اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ اتنی جلدی حالت بدل  
 جائیں گے اور یوں سب اس کے حق میں ہو جائیں گے اور وہ سنگین مرحلہ جس کے لئے  
 دیکھیاں راتوں کو اٹھ اٹھ کر دعائیں مانگتی ہیں، اب طے ہونے کو تھا۔ ابھی تو وہ اس دلکش  
 ساڑھی کو جی بھر کر نہ دیکھ پائی تھی کہ اُفتی نے اس پر پھینٹے اڑا دیئے۔

افتی کا کیا ہے؟ اُس نے دل میں سوچا، یہ تو ایک حاسد سی لڑکی ہے۔ دل آزاری  
 اُس کا پیشہ ہے۔  
 اتنے میں ہنستی ہوئی شفق کمرے میں داخل ہوئی۔ اُس نے اُفتی کے آخری الفاظ  
 سُن لئے تھے۔

”کیا بحث ہو رہی ہے؟“  
 ”یہی کہ مغرب میں دلہن شادی کے روز سفید لباس کیوں پہنتی ہے؟“  
 ”اس لئے کہ...“

شفونے نور کی عاف دیکھتے ہوئے دھماکت کی۔

”کہ سفید رنگ تقدس اور پاکیزگی کا مظہر ہے، امن کا علمبرار ہے اور سکھ و سلامتی  
 کا سہیل۔ پھر اس میں دلہن بہت کم عمر اور معصوم نظر آتی ہے، فرشتوں کی طرح۔“  
 ”بچاریاں، اپنی تقدیس بار بار بولنا چکی ہوتی ہیں۔ اُفتی نے اتنا آہستہ کہا کہ صرف  
 پاس بیٹھی ہوئی فلورا ہی سُن سکے۔ مگر شفونے بھی سُن لیا۔

”یہ غلط ہے اُفتی...“ شفونے ذرا تلخی سے کہا۔ ”دنیا کی ہر سوسائٹی میں عصمت  
 کا تصور ہے۔ اور مشرقی عورت سرتاپا تقدیس ہوتی ہے۔ خواہ کسی مذہب سے  
 تعلق رکھتی ہو۔ میں نے تو ایسی ایسی یورپین عیسائی خواتین کے قصے سُنے ہیں جو شادی  
 کے بعد ہمارے دیس میں آئیں۔ تو اپنی زندگی کے آخری سال بھی شوہروں پر بچھاؤ رکھنے

کا مہم چھم کر رہا تھا۔

فلورا نے جب ساڑھی کو دیکھا تو معصومیت سے بولی۔  
 ”میرے پاس کالے رنگ کا بلاؤز ہے۔ وہی پہن لوں گی؟“  
 ”ارے نہیں!“

بی بی آپا اس کا ناپ لیتے ہوئے بولیں۔

”کوئی شادی کے روز بھی کالے کپڑے پہنتا ہے؟“  
 ”کیوں بی بی آپا، کیوں بھلا؟“

”ارے تم کیا جانو بچی۔ ہمارے ہاں اچھا نہیں سمجھا جاتا۔“  
 ”اچھا جی“ فلورا ایک دم شرمندہ ہو کر خاموش ہو گئی۔

جب بی بی آپا اس کے ناپ کا بلاؤز کاٹ کر چپ ہو گئی اور باہر نکل آئی تو اُفتی بولی۔  
 ”تمہیں معلوم ہے فردزی یہ گوڑے اور کالے عیسائی شادی کے روز سفید کپڑے

کیوں پہنتے ہیں؟

”ہائے مجھے تو شادی کے دن سفید کپڑے بالکل اچھے نہیں لگتے۔“ فروزاں نے  
 گھبراتے ہوئے انداز میں کہا۔

”تم بتاؤ بھلا، تمہارا فلسفہ کیا کہتا ہے؟“ سلطنت نے دخل اندازی کرتے ہوئے اُفتی  
 سے براہِ راست سوال کیا۔

”یہ عیسائی اور خصوصاً مغربی لڑکیاں شادی سے پہلے...“

وہ ذرا سا جھجکی اور پھر جلدی سے بولی۔

”یہ کنواری تھوڑی ہوتی ہیں؟“

اس لئے اپنے آپ میں مصنوعی تقدس پیدا کرنے کے لئے شادی کے روز سفید  
 براق ایسے کپڑے پہن لیتی ہیں جیسے کہ مقدس مریم کا پر تو ہوں؟“



”بتہ ہے، بڑی ماں نے تمہارے لئے ایک خوبصورت سا کڈن کا سیٹ بھی نکالا ہے۔ اس کا چھوٹا سا ٹیکہ بھی ہے۔ میں خود تمہارے بال بناؤں گی اور ماتھے پر ٹیکہ لگاؤں گی۔ ہائے کتنا اچھا لگے گا۔“  
فلورا شرمائی۔

کتنی پیاری ہے یہ شفو، اس نے دل میں سوچا، اور کس خلوص سے اپنی خوشی کا اظہار کر رہی ہے۔ اس کے سامنے اسے یوں افسردہ رہنا اچھا نہ لگا۔  
اتنے میں کہیں سے خنداں بھاگتی ہوئی آئی۔ اس کے ہاتھ میں مہندی کا پیالہ تھا۔  
بولی۔

”امی نے کہا ہے، دلہن کو مہندی ضرور لگانی ہے۔ لاؤ فلورا میں تمہیں مہندی لگا دوں۔“

”نہیں جی، میں لگاؤں گی۔“ نازاں آگے بڑھی۔ ”میں مہندی ایکسپرٹ ہوں۔“  
”ایک تو اس گھر میں سب کسی نہ کسی شے میں ایکسپرٹ ہونے کی خوش نمی میں مبتلا رہتے ہیں۔“ اُفتی نفرت سے بولی۔

”ہاں جیسے تم دل آزاری کرنے میں ایکسپرٹ ہو۔“ سلطنت نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔  
”تو تو مجھ سے ہمیشہ حلّتی رہے گی۔“ اُفتی غرّا کر بولی۔

”دیکھو شور نہ کرو۔ سب مل کر کوئی اچھا سا ڈیزائن بناتے ہیں۔“ شفو نے کہا۔  
”ہاں ٹھیک ہے۔“ سب یک زبان ہو کر بولیں۔

”جاؤ فلورا تم صابن سے اچھی طرح ہاتھ دھو کر آؤ۔“  
فلورا تابعدار نہپنے کی مانند اٹھ کر غسلخانے میں ہاتھ دھونے چلی گئی۔

سب کی سب نیچے اتر کر قالین پر بیٹھ گئیں۔ سوائے اُفتی کے، وہ اب بھی اسی بے ڈھنگے پن سے لیٹی کوئی انگلی ناول پڑھ رہی تھی۔ فلورا نے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے۔

”بہترین گھریلو عورتیں اور شوہر پرست بیویاں ثابت ہوتی ہیں۔ متعجب نہ بنو۔ دیکھو کہ بڑا اور قابلِ اعتراض طبقہ کس سوسائٹی میں نہیں ہے۔ کیا ایسی مسلمان لڑکیاں پاکستان میں نہیں ہیں۔ جو اپنے آپ کو ماڈرن ظاہر کرنے کے لئے اخلاقیات کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیتی ہیں۔ اور ذلیل سے ذلیل حرکت کر گزرتی ہیں۔۔۔۔۔“

”دیکھو۔۔۔۔۔ پھر وہ فلورا کو خوش کرنے کے لئے بولی۔“  
ہماری فلوری کتنی معصوم اور مقدس نظر آتی ہے۔ اس کے چہرے پر کتنا بھولپن ہے۔“

فلوری تمہیں معلوم ہے۔ تمہارے اندر بے انتہا کشش ہے۔ قسم خدا کی ایک بار تمہیں دیکھ کر دوبارہ دیکھنے کو دل کرتا ہے۔ تمہارے آگے تو ہر گوری چھڑی ماند ہے۔

”جی ہاں۔۔۔۔۔“ اُفتی ڈھٹائی سے بولی۔ اس کا ثبوت اسے کافی دن پہلے آپ کے کزن بہادر سے مل چکا ہے۔ اس لئے تم بار بار یقین دلانے کی کوشش نہ کرو اور اپنے سفید رنگ کی نفی نہ کرو۔“

فلوری۔۔۔۔۔ شفو نے آگے بڑھ کر فلورا کا ہاتھ تھام لیا اور اُفتی کی بات کی بالکل پڑا نہ کی۔ اور بولی۔۔۔۔۔

”ہائے اللہ تم اس ساڑھی میں کس قدر پیاری لگو گی۔ آج میں تمہیں سنگھار کر ڈونگی۔“  
”جی نہیں۔۔۔۔۔ میک آپ ایکسپرٹ تو میں ہوں اس گھر میں۔“ سورا جلدی سے بولی۔

”بھتی سب مل کر کرائیں گے۔“ تمکنت نے کہا۔  
”ہاں، اور اس کو کارٹون بنا دیں گے، جیسے آٹے میں سے چوہا نکل بھاگا ہو۔“

اُفتی نے پھر تیر بھینچا۔  
”ایڈیٹ۔“ سب کی سب ہنسنے لگیں۔

فلورا افسردہ سی بیٹھی رہی، جانے اس خوشی کے موقعے پر وہ ایک دم اداس کیوں ہو گئی تھی۔ شاید اجنبیت کا احساس غالب آ گیا تھا یا مایا پاپا یاد آ گئے تھے۔



انہوں نے اس کے سیدھے ہاتھ پر لے لکھ دیا اور اس کے ارد گرد خوبصورت پھول پتیاں بنا دیں۔

پھر اٹھے ہاتھ پر دو دل بنائے اور اس میں ایک تیر لگا دیا۔

”بھتی نیچے خون کے قطرے بھی بناؤ“ فرزات بولی۔

”ہاں مہندی میں سرخ قطرے بہت اچھے لگیں گے“ نازاں بولی۔

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا۔

لیٹے لیٹے اُفتی اچانک گانے لگی، نادل تو شاید دکھانے کو پڑھ رہی تھی۔ دھیان اُس کا لڑکیوں کی باتوں کی طرف لگا ہوا تھا۔

جو پھیرا تو.....

جو بھاڑا تو.....

”خدا کے لئے اُفتی“ خنداں نے ہاتھ جوڑ دیئے۔

”اتنے خوبصورت شعر کی ٹانگ نہ توڑنا“

جو پھیلی پر آیا تو بس بودا نکلا۔

اُفتی اپنی دُھن میں گائے گئی۔

پھر سب لڑکیوں نے ایک دوسرے کے ہاتھوں پر مہندی لگائی۔

شفق نے کہا: فلورا تم ذرا ہاتھ پھیلا کر نیچے آ جاؤ۔ تمہاری مہندی سوکھنی

بہت ضروری ہے، یہ جب خود بخود سوکھ جائے گی، تب رنگ تمہاری ہتھیلیوں پر اتر

آئے گا۔

”ارے ہاں، تمہارے پاس گلابی شید کی کیوٹیکس ہے؟“ سورا نے یاد دلایا۔

فلورا نے انکار میں سر ہلایا۔

”میرے پاس ہے، ضائع کر سکتی ہوں“ اُفتی نے پاؤں ہلاتے ہوئے کہا۔

”آج تم نے نیل پالش ضرور لگانی ہے، دیکھو تو تمہارے ناخن بالکل سفید ہو رہے ہیں“

وہ بے چاری یہاں آکر ڈر کے مارے ناخن پالش نہیں لگاتی تھی، حالانکہ گھومیں سب

لڑکیوں نے ناخن بڑھائے ہوئے تھے اور جدید ترین رنگوں کی نیل پالشیں لگاتی تھیں۔

”ہائے فلوری! آج ہم تمہیں اتنی پیاری دلہن بنائیں گے کہ اسجد بھائی تمہیں دیکھ

کر بے ہوش ہو جائیں گے“

”اچھا تو وہ تمہیں ہوش میں معلوم ہوتے ہیں۔ ایسی سوکتیں تو آدمی بے ہوشی کے

عالم میں ہی کرتے ہیں“

اُفتی نے پھر دخل در معقولات کیا۔

دیکھو، فلورا کی آنکھیں کتنی خوبصورت ہیں، ہے نا! خنداں نے کہا۔

”کون سا آئی شید لگاؤ گی اُسے؟“

”میرا خیال ہے گولڈن ٹھیک رہے گا“

”اور سارٹھی پر کام بھی تو گولڈن ہے“

”فلورا تمہارے پاس گولڈن سینڈل ہیں“

”نہیں تو“

”میں لے آتی ہوں، میرے پورے آئیں گے“

”ٹھگنی تو بیٹھ جا۔ فلورا تجھ سے کافی لمبی ہے۔“ اُفتی نے سر اٹھا کر کہا۔

”نہیں میرے پورے آئیں گے“ نازی بولی۔

”میرے خیال میں میرے پورے آئیں گے۔ شفق اٹھ کر اپنی الماری سے گولڈن

سینڈل نکال لائی۔ واقعی اس کے سینڈل فلورا کو بالکل فٹ آئے۔

لڑکیوں نے اُس کے ساتھ ہی اپنے کپڑے بھی نکالنے شروع کر دیئے۔

دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد سب نے اپنے کپڑے استری کئے اور بے چینی



کیا اس میں جانیں ضائع نہیں ہوتیں، آخر پتنگوں کی دکانیں کیوں نہیں سیل ہو جاتیں۔  
بیسیں رکشے اور سکوتر کیوں نہیں ضبط ہو جاتے، بس ایک آتش بازی ہی آپ کو نظر  
آجاتی ہے کہ جس کی دکانیں ضبط کرادی جائیں۔  
”اُنی ڈیراُنی“ شفق بولی۔

”یہ تو ہم سب پڑھے لکھے لوگوں کے سوچنے کی باتیں ہیں، حکومت بیجاری کیا  
کرے، ہم سب کو فرداً فرداً یہ کام اپنے ذمے لینا چاہیے۔ اور تبلیغ و عمل کے ذریعے  
معاشرے کی یہ برائیاں جڑ سے اکھاڑ پھینکی جاویں۔ نہ کہ خود بھی آتش بازی کے کاروبار  
کو فروغ دے کر ایک بڑے کام میں حصہ لیں۔“

”تم نے ٹھیکہ لے رکھا ہوگا۔ جہاں سدھارنے کا، ہمارا تو بوجھل چاہے گا کریں گے۔“  
اُنی نے ڈھٹائی سے کہا۔

”بڑی ماں سے جوتے بھی کھاؤ گی۔“

”تو کیا ہوگا۔ میں نے تو سچا رس روپوں کی آتش بازی منگوا چھوڑی ہے۔ آج دیکھنا  
تو گھر میں کیا حشر ہوگا۔“

اُنی نے باخیا نہ انداز میں کہا۔

”اس مقدس رات میں کوئی نیک کام کرنا چاہیے۔“ شفق نے اُسے سمجھایا۔ ”آتش بازی  
سے کھیلنا شیطانی فعل ہے۔“

”جی ہاں۔ سارا دن آپ لوگ نیک کاموں میں ہی تو گزار دیتے ہیں۔ سارا سال چاہے  
گناہ کرتے رہو، اور بس آج کی رات بخشو الو۔ اونہ۔۔۔۔۔“

”ویسے حکومت کو آتش بازی چلانے والوں اور بیچنے والوں کو سخت سزائیں یا جرم مانے  
لگانے چاہئیں۔“ چپ بیٹھی نذرانہ پہلی بار بولی۔

”بھئی ایسا کیوں سوچتے ہو تم لوگ۔ کہ ہر کام حکومت ہی کرانے، بہنیر کی لعنت

سے شام کا انتظار کرنے لگیں۔

”فلور تم بہت لگی ہو کہ آج کی رات تمہارا نکاح ہو رہا ہے، دیکھو کتنی یادگار رات  
ہے۔“ شفق نے کہا۔

”ارے ہاں شب برات تو خاص الخاص رات ہوتی ہے۔“ فردزاں نے کہا۔

”فردزی شام کو چراغاں بھی کریں گے۔“ نذرانہ نے کہا۔ یہ تینوں بہنیں بھی کھانے  
کے بعد ان کی محفل میں شریک ہو گئی تھیں۔

”ہاں ضرور، میں نے ایک سوئے دیئے منگوائے ہیں۔“

”اتنی ہنگامی میں تیل کہاں سے آئے گا۔“ اُنی نے پوچھا۔

”ہے میرے پاس، میں نے دو بوتلیں چھپا کر رکھی ہوئی ہیں۔“ فردزاں نے جواب دیا  
”صرف آتش بازی کا کھیل ہونا چاہیے۔“

اُنی نے مشورہ دیا۔

”توبہ توبہ۔“ سورا بولی۔ ”آتش بازی اچھی چیز نہیں ہے۔ خواہ مخواہ رنگ میں بھنگ

پڑ جائے گا۔“

”اور ہر سال اخبار میں کتنی ایسی خبریں پڑھنے کو ملتی ہیں کہ آتش بازی کے کھیل میں۔  
بے شمار معصوم جانیں تلف ہو گئیں۔ پھر بھی لوگوں کو عقل نہیں آتی۔“ نذرانہ نے کہا۔

جناب یہاں تو پڑھے لکھے ایسا جنوں رکھتے ہیں، جاہلوں کو ہم کیا روئیں۔“ سلطنت  
نے دانستہ اُنی کی طرف دیکھا۔

”ہاں رکھتے ہیں جنوں۔“ اُنی اٹھ کر بیٹھ گئی۔

”جانیں کیا صرف آتش بازی سے تلف ہوتی ہیں؟ وہ جو تیز رفتاری کے باعث  
ٹرکوں پر ریزانہ بے شمار ایکسیڈنٹ ہوتے ہیں۔ کیا جانیں وہاں تلف نہیں ہوتیں

۔ جو ہر سال پتنگ بازی کرتے ہوئے یا پتنگیں لوٹتے ہوئے حادثات ہوتے ہیں۔



کوئی خواہ کتنا ہی برا بھلا کہتا رہے، تم ہمیشہ سچائی کا پرچار کرتے رہو، ایک دن دنیا تمہارا کہانا بن جائے گی۔“

”ہوں، تو کتنے جاڑ پر چار محترمہ مبلغہ صاحبہ“ انی بولی: ”ہم بھی دیکھیں گے سچائی کیا ہوتی ہے۔ اگر آج آتش بازی نہ ہوئی تو کیا خاک لطف آئے گا؟“

”ہم سب مل کر تمہاری آتش بازی میں پانی پھینک دیں گے۔“ نازاں نے کہا۔

”اچھا تو یہ بات ہے۔“ انی کھڑی ہو کر آستینیں چڑھانے لگی: ”تو ہو جائیں دو دو راتے ابھی فیصلہ ہو جائے گا۔“

”ارے ارے! شفق جلدی سے کھڑی ہو گئی۔“ مذاق کی بات کو کبھی نہیں بڑھانا چاہیے، اور آج کی متبرک رات میں لڑنا بہت بُرا ہے، کوئی بات نہیں، انی کو جب بھی یہ باتیں سمجھ آجائیں گی، یہ ہماری ہم خیال ہو جائے گی۔ کیوں انی؟“

”میں دنیا میں کسی کی ہم خیال نہیں ہو سکتی۔“

”اے لڑکیو۔۔۔ اے لڑکیو۔۔۔ نذرانہ نے یاد دلاتے ہوئے کہا۔ رات کو نفل کون کون پڑھے گا؟“

”ہم سب پڑھیں گے؟“ انہوں نے یک زبان کہا۔

”بڑی ماں کے کمرے میں پڑھنے سے ویسے بھی ڈر لگتا ہے۔ کہتی ہیں مسلسل پڑھتی رہو، باتیں کیوں کرتی ہو، اور یہ بھی کہتی ہیں، کم از کم سو نفل پڑھ کر اٹھو۔“ فردزاں نے کہا۔

”نازی، ہم دونوں ڈرائنگ روم میں پڑھیں گے۔“

”نہ جی نہ، نازاں نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔“ یاد ہے پچھلے سال تم نے میرے ساتھ کیا کیا تھا؟“

ہے تو وہ حکومت بند کرانے، پور بازاری سے حکومت پیچھا چھڑوانے، منگانی کو حکومت روکے، حادثات کی روک تھام حکومت کرے۔ گلیوں میں کوڑا کرکٹ پھینکنے کی عادت کو حکومت چھڑوائے۔ گھر گھر گلیوں کو صاف رکھنے کی تلقین حکومت کرے، مذہب کی محبت حکومت ڈالے، مسجدوں میں لوگوں کو حکومت زبردستی بھیجے، آتش بازی پر حکومت پابندی لگائے، پتنگ بازی کو حکومت روکے۔ حکومت کے کرنے کے اور کام تھوڑے ہیں۔ آخر ہر شخص انفرادی طور پر اپنے آپ کو سدھانے کی رسم کیوں نہیں شروع کرتا۔ پہلے ایسی تحریکیں ایک دل سے ایک گھر سے اٹھیں، گھر سے محلے میں پہنچیں گی اور محلے سے شہر تک پہنچ جائیں گی۔ ہر فرد کیوں نہیں اپنے فرض کو محسوس کرتا۔ ہر شہری کیوں نہیں اپنی ذمہ داری محسوس کرتا، جب ہم اپنے آپ کو سدھار لیں گے تو دوسروں کو نصیحت کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔“

”واہ واہ۔۔۔ واہ واہ۔۔۔ ہیئر میئر۔۔۔“ انی نے درمیان میں سے ہی تالیاں سجانی شروع کر دیں۔ آج کی ڈی بیٹ کی وزیر ہیں محترمہ مکنت صاحبہ، میں انہیں پہلے انعام کا حقدار قرار دیتی ہوں۔ اور ساتھ ہی یہ بھی پوچھتی ہوں کہ آپ ایسی تقریر صرف گھر پر کرنا جانتی ہیں یا سٹیج پر بھی کر لیتی ہیں، کاش آپ نے اپنی ذہانت کا ثبوت دینے کے لئے دو چار کپ بھی دکھاتے ہوتے۔“

”کیوں میں نے کچھ غلط کہا ہے؟“ اس نے دوسری لڑکیوں کی طرف داد طلب نظروں سے دیکھا۔ کل ہماری شہریت کی پروفیسر نے اسی قسم کا لیکچر دیا تھا۔“

”اچھا تو رٹو طوطا اپنا سبق دہرا رہا تھا۔“ انی بولی۔ میں نے سمجھا کہ بے چاری بڑے جذبے سے یہ باتیں کہہ رہی ہے، کچھ کچھ امپریس ہو چلی تھی میں۔“

”اور جذبہ کیا ہوتا ہے جی؟“ مکنت چڑھ کر بولی۔

”جو باتیں دل میں بیٹھ جائیں، وہی اثر انگیز ہوتی ہیں اور ہماری مس نے کہا تھا۔“



”کیا کیا تھا، بتاؤ“ لڑکیاں چیخ اٹھیں۔

”پلیز نازی مت بتانا، وہ تو ایسے ہی مجھے نیندا کر ہی تھی“ تکنت بولی۔

”بتاؤ بتاؤ نازی...“

”پتہ ہے جب رات ذرا ڈھلی نا، اور گھر میں خاموشی ہو گئی تو تکنت صاحبہ نے مجھے

ڈرانا شروع کر دیا۔ تھوڑے سے نفل پڑھنے کے بعد بیٹھ جاتی اور ادھر ادھر دیکھنے لگتی۔

کبھی کہتی وہ دیکھو سامنے دروازے کا پردہ مل رہا ہے۔ وہاں ضرور کوئی چھپا ہوا ہے۔ کبھی

کہتی، صوفے کے پیچھے سے عجیب و غریب آوازیں آرہی ہیں۔ غرض اس نے مجھے اتنا

ڈرایا کہ صرف پچاس نفل پڑھ کر مجھے اٹھ جانا پڑا۔

”ہاں یہ موٹو تو ہے ہی ڈر لوگ، ویسے آپ اپنے کو تو پ سمجھتی ہے۔“

”افی تم اپنی گندی زبان بند رکھا کرو“ تکنت غصتے سے بولی۔

”یہ زبان نہیں، دزیر آباد کی قلعچی ہے۔“

”اور ہمیں قلعچیوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔“

”اچھا تو کیا فیصلہ ہوا، کہاں پر نفل پڑھے جائیں“ شفق نے پوچھا۔

”بھئی اس مرتبہ ہم سب لڑکیاں ایک جگہ اکٹھے نفل پڑھیں گے، کالونی سے راجیلہ،

انزار اور نائیلہ بھی آرہی ہیں۔“

”اچھا تو پھر سب لوگ چھت پر چاندنی بچھا کر پڑھیں گے۔“

”چھت پر تو بی بی آپا پڑھا کرتی ہیں۔“

کوئی مضائقہ نہیں، ان کے ہونے سے لڑائی نہیں ہوگی اور ڈر بھی نہیں لگے گا۔“

”ہاں یہ ٹھیک ہے۔“

اس تمام عرصہ میں فلورا بیٹہ سے لڑکیوں کی باتیں سنتی رہی اسے یہ سب باتیں

بہت عجیب لگ رہی تھیں۔ اسکول اور کالج میں اس نے شب برات کا نام تو سن

رکھا تھا، مگر مسلمانوں کے نزدیک اس کی مذہبی اہمیت کیا ہے، اسے آج معلوم ہو

رہا تھا، مگر اسے یہ بات سمجھ میں بالکل نہیں آرہی تھی کہ یہ لوگ رات کو کیوں جاگتے ہیں،

نفل کیا ہوتے ہیں، اور اس رات کو اتنی مقدس رات کیوں سمجھا جاتا ہے۔ وہ تو یہی

سمجھتی تھی کہ یہ کوئی ایسا تہوار ہے جس پر رات کو آتش بازیاں چھوڑی جاتی ہیں۔

پہلے تو چپ چاپ بیٹھی رہی۔ جب سب لڑکیوں کی بخت ختم ہو گئی تو بڑی آہستگی

سے بولی۔

”شفو! شب برات کو کیا ہوتا ہے؟“

”شب برات کو عیسائی لڑکیوں کو مسلمان کر کے ان کے نکاح پڑھوائے جاتے ہیں“

شفو کے بولنے سے پہلے افق بول اٹھی۔

باد بود ضبط کے لڑکیوں کی ہنسی نکل گئی۔

اس کے جواب سے فلورا پانی پانی ہو گئی۔

چلو بھاگو افق یہاں سے، اب تمہیں زیادہ دیر برداشت نہیں کیا جائے گا۔“

شفو نے دافقی اسے باہر دھکا دے کر دروازہ بند کر لیا اور پھر فلورا کے پاس

بیٹھتے ہوئے بولی۔

”شب برات ہمارے ہاں بہت ہی متبرک اور مقدس رات سمجھی جاتی ہے۔“

اس کو خوشیوں اور برکتوں کی رات بھی کہا جاتا ہے۔ روایت ہے کہ اس رات میں

اللہ میاں بندوں کی قسمتوں کے فیصلے کرتا ہے۔ سال بھر کے لئے ان کی تقدیر میں جو

رکھا ہو وہ رقم کیا جاتا ہے۔ زندگی اور موت کے فیصلے بھی اسی رات کو ہوتے ہیں۔

ساری رات جاگ کر، اللہ کی حمد و ثنا کرنے سے بہت ثواب ملتا ہے، ہم لوگ ساری

رات عبادت کرتے ہیں۔ عبادت کا مطلب ہے کہ لمبی لمبی نمازیں پڑھتے ہیں، اپنے

گناہوں سے توبہ کرتے ہیں، اللہ کی نعمتوں کے لئے اس کا شکر ادا کرتے ہیں۔ اور

One Urdu Forum . Com



اتنے میں بی بی آپا کمرے میں داخل ہوئیں، ان کے ہاتھ میں فلورا کا بلاڈز تھا۔  
فلورا پہن کر دیکھ لو، ٹھیک ہے یا نہیں۔ پھر میں استری کر دوں۔“  
”ہائے کتنا پیارا سیا ہے آپ نے بی بی آپا۔“ فلورا نے ہاتھ میں کپڑے کر کہا۔  
”ابھی پہن کر دیکھتی ہوں، پھر میں خود ہی استری کر لوں گی، آپ یہ تکلیف نہ کریں،  
پلیز۔“

”اچھا تو پھر ساڑھی بھی اس کے ساتھ استری کر لیں۔“ یہ کہہ کر بی بی آپا باہر نکل گئیں۔  
”چلو جی استری کریں۔“ تکنت نے کہا۔  
اور سب اپنے اپنے کپڑوں پر پل پڑیں۔ اتنے میں اُفتی دھپ دھپ کرتی آئی،  
اور بولی۔

”تو بہ باہر اس قدر کپڑاں پک رہے ہیں، اور ایسی ایسی قیامت کی خوشبوئیں آرہی  
ہیں کہ مجھے ابھی سے جھوک لگ رہی ہے۔“

”لیکن تم ابھی کھا نہیں سکتیں۔“ سلطنت بولی۔ جب تک بڑی ماں ساری کالونی  
میں حلوہ پوری تقسیم نہ کر لیں، گھر والوں کو نکالنے کی اجازت نہیں دیتیں۔“

”ہاں مجھے معلوم ہے۔“ اُفتی نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔ بڑی ماں ان دقیا نوسی رسم و  
رداج کی ابھی تک پابندی کرتی ہیں، اب کون کسی کے گھر حلوہ پوری بھیجتا ہے، بلکہ اکثر  
لوگوں کو تو پتہ بھی نہیں ہوتا کہ آج شب برات ہے اور گھر میں حلوہ جیسی آؤٹ آف  
فیشن ڈش بنانا ہے، جن تھوڑے بہت لوگوں کو شب برات کا پتہ چلتا ہے وہ بھی  
آتش بازی کے ذریعے۔۔۔“

”تو آگئی وہ اپنی بات پر۔“ تازی بولی۔ ”اچھا ہے نا، ابھی تک دنیا میں بڑی ماں  
جیسے لوگ باقی ہیں کہ جو ہماری پرانی قدردوں کو سنبھالے ہوتے ہیں۔ ورنہ ہمیں ان  
کے بارے میں کون بتاتا؟“

اپنے لئے جو کچھ مانگنا ہوتا ہے۔ اس رات اللہ میاں بطور خاص اپنے بندوں کی  
دعائیں سُنتا ہے، دلوں کی مرادیں پوری کرتا ہے، سب یہی کوشش کرتے ہیں، زیادہ سے  
زیادہ نفل پڑھیں اور اپنی دعائیں قبول کر دیتیں۔“  
”تم لوگ کیا مانگتے ہو؟“ فلورا نے معصومیت سے پوچھا۔  
”کیا مانگتے ہیں؟“ شفوسنس پڑی۔

”بس جو جی میں آتا ہے، میرا خیال ہے ہم لڑکیاں تو ہمیشہ پاس ہونے کی دعائیں  
ہی مانگتی ہیں۔“  
”اور یہ بھی اللہ سے کہتے ہیں کہ ہمیں ہمیشہ سیدھے راستے پر چلانا اور ہمارا ایمان  
قائم رکھنا۔“

نازاں نے مزید کہا۔  
”اس وقت اُفتی ہوتی تو مزے کا جواب دیتی۔“  
فروزی اپنی ہندی ٹھیک کرتے ہوئے بولی، جو اس نے کھانے کے بعد دوبارہ  
لگاتی تھی۔

”ارے دیکھو، فلورا کے ہاتھ پر ہندی کا کتنا اچھا رنگ آیا ہے۔“  
”دیکھو تو۔“ لڑکیاں کپڑے کپڑے کر اس کے ہاتھ دیکھنے لگیں۔  
”تمہیں پتہ ہے فلورا جس لڑکی کے ہاتھ پر ہندی کا رنگ بہت تیکھا آئے، اس  
کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس کی ساس اس کو بہت پیار کرتی ہے۔“  
سلطنت نے جیسے بڑے پتے کی بات کہی۔  
”مگر فلورا کی تو ساس ہی نہیں ہے۔“ خداں بولی۔

”کیوں نہیں ہے؟“ تکنت مصنوعی غصے سے بولی۔ ”بڑی ماں اس کی ساس ہیں۔“  
”اچھا چھوڑو یہ فضول باتیں اٹھ کر تیار شروع کرو۔“ شفوق نے کہا۔

One Urdu Forum . Com



”اُنی تم کیا پہن رہی ہو؟“ فردزی نے اچانک پوچھا۔

”کیوں، کیا میں سنگی ہوں؟“

”بے ہودہ“ سب ہنسنے لگیں۔ بدکبھی تو ڈھنگ سے جواب دیا کرو۔ ہم سب

لڑکیاں غرارے پہن رہی ہیں۔“

”ہاں تم سب لڑکیوں کو نکاح کا بہت شوق ہے نا، لیکن افسوس اس خاندان میں ایک ہی لڑکارہ گیا ہے، وہ بھی آج رات ہاتھوں سے نکل جاتے گا۔“

پھر سب لڑکیاں خاموش ہو گئیں، کسی نے اُن کی بات کا جواب دینا مناسب

نہ سمجھا۔

اتنے میں بڑی ماں سفید براق کپڑے پہنے کمرے میں داخل ہوئیں، ان کے ہاتھ میں سُرخ منجھل کا ڈبہ تھا۔ انہوں نے سب لڑکیوں کو غور سے دیکھا، استری کرتی ہوئی فلورا نے گھبرا کر دوپٹہ سر پر رکھ لیا۔ انہوں نے اس کی ہتھیلیوں کا رنگ دیکھ لیا اور بولیں۔

”اچھا کیا تم نے اسے ہندی لگا دی؟“

پھر شفق کو مخاطب کر کے بولیں۔

”شفویہ ڈبہ لو، اس میں فلورا کے لئے زلیور ہیں۔ بیٹی تم سب مل کر اس کو دلہن

بنادو اور مغرب کی نماز کے بعد ہال کمرے میں لے آنا۔ مولوی صاحب آجائیں گے

اور وہیں سب رسمیں ہو جائیں گی۔“

پھر وہ باہر جاتے جاتے رُک گئیں اور بولیں۔

”اے مسجد کی بھی کسی نے خبر لی ہے یا نہیں، اس کی کنوئیں کی اچکن میں نے

درزی کو دی تھی، مگر ابھی تک سل کر نہیں آسکی۔ اُس سے کہو کوئی اچھا سا سوٹ

پہن کر ہی آجائے۔“

ادھی لڑکیاں دن دن کرتی چھت کی طرف بھاگیں۔

مغرب کی نماز کے بعد فلورا کو تیار کر کے وہ ہال کمرے میں لے آئیں۔ کچھ شرم اور کچھ بوجھلاہٹ کے مارے فلورا سُرخ ہوئی جا رہی تھی۔ گلابی ساڑھی اس کے سانولے رنگ پر خوب چچی تھی، اتنی خوب صورت لگ رہی تھی کہ اس پر نظر ہی نہ ٹکتی تھی۔

ادھر سے لڑکیاں مسجد کو گھسیٹ کر لے آئیں۔ اسجد نے ڈارک براؤن سوٹ پہنا ہوا تھا اور شرمایا شرمایا سا بڑا اچھا لگ رہا تھا، چھٹیر چھٹیر لڑکیوں نے اس کا بُرا حال کر دیا تھا۔ کبھی زبردستی اسے فلورا کے پہلو میں دھکا دے کر سجادیتیں۔ جانے کب تک یہ چھٹیر چھاڑ جا رہی رہتی، کہ بڑی ماں آگئیں اور ان کے ساتھ ہی اُن کی بیٹیاں اور کالونی کی کچھ مغرز خواتین بھی اندر داخل ہوئیں، سب لڑکیاں صوفے چھوڑ کر قالین پر ایک طرف سمت کر بیٹھ گئیں۔

تھوڑی دیر بعد مولوی صاحب اور نکاح خواں تشریف لے آئے۔ انہوں نے پہلے تلاوتِ کلامِ پاک کی، اس کے بعد کلمہ طیبہ پڑھا کر فلورا کو مسلمان کیا۔ بڑی ماں نے اس کا نیا نام فاطمہ رکھا۔ اس کے بعد فاطمہ کا نکاح اسجد سے کر دیا گیا۔ مبارک سلامت کے شور سے کمرہ گونج اٹھا۔

اسجد کی باچھیں خوشی کے مارے کھلی جا رہی تھیں۔ البتہ بڑی ماں کے پُرسکون چہرے سے اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ انہیں کس حد تک خوشی ہوئی ہے۔

جب مولوی صاحب و نکاح خواں صاحبان تشریف لے جا چکے تو بڑی ماں دُ چھوٹی چھوٹی ڈبیاں اُٹھالائیں۔ ایک ڈبہ انہوں نے اسجد کے ہاتھ میں تھما دی اور بولیں۔

”اپنی دلہن کو نکاح کی انگوٹھی پہنادو۔“



اسجد نے جلدی سے ڈبیا کپڑی، کھول کر دیکھا۔ ڈبیا میں ہیروں والی ایک خوبصورت انگوٹھی تھی۔ اس نے فلورا کا سیدھا ہاتھ تھام کر اسے انگوٹھی پہنادی، لڑکیوں نے خوب تالیار بجائیں۔

دوسری ڈبیا کھول کر انہوں نے ایک اور انگوٹھی نکالی، جو پھلانا تھی، اور اس میں ایک ہی ہیرا لگا ہوا تھا۔ انہوں نے فلورا سے کہا۔  
 ”یہ انگوٹھی تم اسجد کو پہنادو۔“

فلورا نے تعمیل کی، اور شرماتے ہوئے اسجد کو انگوٹھی پہنادی۔  
 پھر انہوں نے دونوں کو پانچ پانچ سو روپے سلامی دی اور دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے تو محفل میں شریک سب بیبیوں اور بچیوں نے بھی ہاتھ اٹھائے۔

بعد میں چھو بھٹیوں نے اور کالونی کی عورتوں نے بھی اپنی اپنی ہستی کے مطابق دونوں کو سلامیاں دیں۔

اندر یہ ہنسا مہ تھا، اور باہر سے زرد شور سے آتش بازی چلنے کی آوازیں آرہی تھیں بار بار بڑی ماں کہتیں۔

”جاؤ جا کر دیکھو، کون ایسی حرکت کر رہا ہے“

مگر کون دیکھنے جاتا، سب کو معلوم تھا، کون یہ حرکت کر رہا ہے۔

اس سارے ہوا سے بے نیاز لڑکیوں کے ڈھیر سارے بچوں کو ساتھ لگاتے آفتی کوٹھی کے سچھوڑے پٹانے، انار، پھول بھڑیاں اور جانے کیا کیا چھوڑے جا رہی تھی۔ اور اتنی آگ تھی اس کے ارد گرد جیسے آج اپنی ذات سے سارا انتقام لے لے گی۔

One Urdu Forum . Com

رات لڑکیاں دیر تک جاگتی رہی تھیں، اس لئے صبح ناشتے پر کوئی بھی موجود نہیں تھی۔ نہ بڑی ماں نے انہیں جگانے کا آرڈر ہی دیا تھا۔ فاطمہ چونکہ اس طرح نہیں جاگی تھی پھر بھی رات گئے تک وہ سو نہیں سکی تھی۔ ایک عجیب سی بے کلی یا خوشی اس کے وجود پر چھاتی ہوتی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ہیرے کی انگوٹھی جگمگا رہی تھی۔ اسجد کا ہنستا مسکراتا چہرہ بار بار اس کی آنکھوں کے سامنے آجاتا۔ پھر اس کی وہ شوخ اور محبت میں ڈوبی نظریں اس کے انگ انگ میں آگ لگا دیتیں۔ اس کا دل چاہتا اسجد ان قیود کو توڑ کر کہیں سے آجاتے اور اس کو اپنے بازوؤں میں لے لے۔

ہائے یہ کیسا ملن تھا، جس میں دوریاں ہی دوریاں تھیں۔

یہ کیسا بندھن تھا کہ وہ الگ الگ کمروں میں سوتے پڑے تھے۔

ملن کی رات تو یہی ہوتی ہے۔

باتوں کی رات۔

محبتوں کی رات۔

کیف و مستی کی رات۔



ہوتی تھی۔ لڑکیاں اسے کھانے کے وقت جگانے آئی تھیں، مگر اس نے انہیں ڈانٹ کر بھاگادیا تھا۔

اب ساری لڑکیاں جانے کہاں کہاں عبادت کر رہی تھیں اور وہ صرف اپنے پوتے کے تصور سے ہی رہی تھی۔ جانے اسجد کس نام میں ہوگا، جانے اسے نیند آگئی ہے یا وہ بھی تصورات کے بت تراش رہا ہے بیٹھا۔

یہ سوچتے سوچتے رات کے کسی پر میں وہ سو گئی تھی۔

صبح وہ معمول کے خلاف ذرا دیر سے جاگی۔ افق اٹھ کر غسل خانے جا چکی تھی وہ اپنے پنک پر پاؤں اٹکائے جمائیاں لے رہی تھی کہ دروازے میں ذرا آہٹ ہوئی اس نے چونک کر دیکھا تو اسجد کھڑا تھا۔ سیلینگ سوٹ اور بکھرے بکھرے بالوں کے ساتھ وہ مسکراتا ہوا کس قدر پیارا لگ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں محبت کی شراب سے لبریز تھیں۔ دونوں پاگلوں کی طرح ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھنے لگے۔ اسجد کے ہاتھ میں گلاب کا ایک تڑو تازہ پھول تھا۔ اس نے وہ پھول اپنے ہونٹوں سے لگایا اور گھما کر فاطمہ کی طرف پھینکا، سیدھا اس کے رخسار پر آکر لگا۔ پھول کو اٹھا کر بھی وہ کچھ کہنے والی تھی کہ اچانک غسٹخانے کی چٹختی کھل گئی۔

اسجد رفر چکر ہو گیا اور فاطمہ سنبھل گئی۔

مگر افق نے اس کے ہاتھ میں پھول دیکھ لیا تھا۔

”یہ کہاں سے آیا صبح صبح؟“ اس نے تولیے سے منہ صاف کرتے ہوئے پوچھا۔

فاطمہ کھڑی ہو گئی، کیا جواب دیتی، یہ تو بلا تھی۔

”اچھا تو تحفہ محبت ہے؟“ افق نے خود ہی کہا۔

پھول کو تکیے کے نیچے رکھ کر فاطمہ چپ چاپ غسٹخانے میں چلی گئی۔

اور اب ناشتے کی میز پر صرف چار لوگ بیٹھے تھے۔

ساری دنیا کی کتابیں اس رات کی تعریف میں بھری پڑی ہیں۔

اور یہ کیسے لوگ تھے۔

آج کی رات عبادتوں میں لگے ہوئے تھے، کسی کے اُبلتے پھرتے جذبات کا انہیں احساس ہی نہ تھا۔

کاش آج رات وہ اسے بھی اپنے دیوتا کی عبادت کرنے کی اجازت دے دیتے اس کے قدموں پر محبت کا پہلا بوسہ رکھنے کا پڑا نہ دے دیتے۔ کاش رسم و رواج تانے سنگدل نہ ہوتے تو آج رات۔ آج رات وہ اپنے من کے معبود کو اپنے سامنے تخت پر بٹھا کر اس کی پوجا کئے جاتی، اُسے سجد سے کئے جاتی، اسے دیکھے جاتی، من میں اُتارے جاتی، سو سو بار اس کے قربان جاتی، صدقے اتارتی۔ اپنے تن کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اس پر سے دار دیتی، سو بار بکھرتی، سو بار ستمتی۔ کیا کیا نہ کرتی؟ نکاح کیا ہوتا ہے، شادی کسے کہتے ہیں؟

آج وہ ان سب رسموں سے باغی ہو رہی تھی، کرڈٹ پر کرڈٹ بدلے جاتی، کسی کی چین نہ آتا، ایسے جیسے روئیں روئیں میں آگ لگی ہو اور وہ کسی ٹھنڈے پستے میں کود پڑنا چاہتی ہو۔

اس افق کی سچی نے آج سرشام بتی بچھادی تھی اور لکٹیوں میں منہ دیتے سو رہی تھی وہ بتی جلا کر آئینہ دیکھنا چاہتی تھی۔ اپنے رُوپ کا نیا انداز دیکھنا چاہتی تھی۔ اسجد کی تصویر جو اس نے اپنے تکیے کے غلاف کے اندر چھپا کر رکھی تھی، اسے چونا چاہتی تھی کیا ہوا جو اس کا مذہب آج سے بدل گیا تھا۔

پیار کا مذہب تو نہیں بدلاتھا۔

اور افق سے وہ کہتی کہ ظالم آج کی رات بتی نہ بچھا۔ تو بہ اتنا جو صلہ کہاں سے لاتی۔ افق کا موڈ آج ٹھیک نہیں تھا، اس نے کھانا بھی نہیں کھایا تھا اور نہ کسی رسم میں شریک



بڑی ماں، فاطمہ، انقی اور اسجد۔

فاطمہ سر کو روپٹے سے ڈھکے دلہن بنی ناشتر کر رہی تھی۔ اسجد بھی بڑا فرما نبرد ار بنا بیٹھا تھا، البتہ انقی اسی بے ڈھنگے پن سے پھنسے پھنسائے کپڑوں میں اس طرح بیٹھی تھی کہ اس کا دوپٹہ پاؤں میں لٹک رہا تھا۔  
ناشتے کے بعد بڑی ماں نے کہا۔

”فاطمہ اور اسجد! میں نے تم دونوں کی خوشی پوری کر دی ہے، نکاح جلدی اس لئے کر دیا ہے کہ ایک جوان لڑکی کا بغیر کسی ناٹے کے بہت دن تک گھر میں رہنا ٹھیک نہیں ہوتا دیکھنے سنتے والوں کو بھی کیچڑا چھلانے کا موقع مل جاتا ہے!“

فاطمہ بیٹھی! اب جبکہ تم مسلمان ہو گئی ہو، تو ضروری ہے کہ تم اسلام کے تمام ارکان اور طور طریقوں سے بھی واقف ہو جاؤ، یعنی کلمہ، نماز، روزہ، حج، ہذا کوا۔ ان باتوں کا صرف علم حاصل کرنا ہی کافی نہیں ہوتا، اپنی عملی زندگی میں ان کو نشا ل کرنا ہی مسلمان کہلاتا ہے، کل سے مانی جی آئیں گی۔ انہوں نے ہماری سب بچیوں کو نماز اور قرآن پاک پڑھایا ہے، وہ تمہیں بھی کلے، نماز، اور قرآن پڑھائیں گی۔ یونیورسٹی میں تمہارا کام ختم ہو گیا ہے، اس لئے دن کے وقت مانی جی آکر تمہیں مذہبی تعلیم دیا کریں گی اور رات کو میں تمہیں اپنے کمرے میں پڑھایا کروں گی!“

”جی اچھا بڑی ماں!“

فاطمہ نے آہستہ سے کہا۔

”اور شاید تمہیں علم نہیں کہ یہاں سب لڑکیاں باری باری میرے کمرے میں رہتی ہیں، اس مہینے میں تمہاری باری مقرر کرتی ہوں۔ آج سے تم رات کو میرے کمرے میں سویا کرو گی!“

”جی اچھا بڑی ماں!“ اُس نے پھر تابعداری سے کہا۔

”اسجد بیٹے!“

انہوں نے اسجد کی طرف دیکھا۔

”تم خوش ہو بیٹے؟“

”جی بڑی ماں، میں آپ کا مشکور بھی ہوں!“

”بیٹے بنیادی ٹریننگ کے لئے فاطمہ کو کچھ عرصہ یہاں رکھنا بہت ضروری ہے!“

”جی، بالکل بڑی ماں!“ اسجد بولا۔

”اور بیٹے اب تم لوگوں کو تسلی تو ہو گئی ہو گی کہ میں تے وعدہ پورا کیا۔ کہنا میں یہ چاہتی ہوں کہ اس گھر میں اور بھی جوان لڑکیاں ہیں۔ بیٹے میں نہیں چاہتی کہ ان کے سامنے تم دونوں کچھ اس قسم کا مظاہرہ کرو۔ جس سے لڑکیوں کے جذبات پر کسی قسم کا اثر ہو۔ اس گھر کا ایک چلن ہے، ٹھیک ہے نا؟“

”جی بڑی ماں!“ اسجد نے سر جھکا کر کہا۔

”گھر میں شرم و حیا، رواداری اور احترام کی فضا ہونی چاہیے!“

”جی بڑی ماں!“ اسجد اسی طرح سر جھکاتے بیٹھا تھا۔

اور فاطمہ کا سر آپ ہی آپ جھکتا گیا۔

”امید ہے تم لوگ پھر کبھی مجھے کچھ کہنے کا موقع نہیں دو گے!“

”جی بڑی ماں!“ اسجد اسی انداز میں بولا۔

واہ۔ آزادی کی جھلک دکھا کے قید کی ہر لگا دی ہے۔ فاطمہ نے ریل میں سوچا۔

”کچھ تم بھی بولو فلورا، بس اسجد بھائی، جی بڑی ماں، جی بڑی ماں کہتے جا رہے ہیں۔“

بڑی دیر سے خاموش بیٹھی انقی کی زبان پر کھلی ہوئی۔

”انقی!“ بڑی ماں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ آج کے بعد اس گھر میں کوئی فاطمہ کو فلورا

نہیں کہے گا۔ کل سے یہ فاطمہ بن گئی ہے اور سب اسے فاطمہ کہیں گے۔“



جیسے آگے ایک مرحلہ پڑا ہے منزل تو روز بروز سربسرتی جا رہی تھی۔ وہ جتنی تیزی سے چل کر قریب آتی، اتنی دور ہو جاتی۔

جب وہ سوچوں میں گم پیالی میں چھپے ہلانے گئی تو اُفتی بولی: "بی فاطمہ! کہاں کھو گئی ہو، ابھی تو اسجد بھائی اسلام آباد جا رہے ہیں، سوڈن نہیں جا رہے۔"

"اچھا۔" اس نے چونک کر اُفتی کی طرف دیکھا، "کیا ان کا سوڈن چلے جانے کا بھی امکان ہے؟"

"ہاں کیوں نہیں، ازل کے ضدی ہیں۔ اگر بڑی ماں کی سمجھتی سے عاجز آجاتیں تو اٹھ کر بھاگ جاتیں، پھر تم بیٹھی انتظار کرتی رہتا۔"

"جی... اس کی پیالی ہونٹوں تک جاتی جاتی پھلک گئی۔"

اس خاندان میں محبت کے جراثیم تو پاتے جاتے ہیں مگر اس خاندان کو محبت کی شادی راس نہیں آتی۔ تم نے ان کی والدہ محترمہ کا قصہ نہیں سنا گھر میں؟

اس نے کچھ کچھ تو سن رکھا تھا، بے بسی سے اُفتی کی شکل دیکھنے لگی۔ اُفتی نے کہن شروع کیا۔

"وہ بھی خاندان سے باہر کسی نیچ ذات کو بیاہ لائے تھے، پھر جو چھوڑ کر گئے ہیں تو پلٹ کر نہیں پوچھا، دو بیٹے ہو گئے تھے اسی لئے بڑی ماں نے گلے لگا لیا۔"

مگر وہ خزیب خون تھوک تھوک کر مر گئیں اور ہمارے چچا حضور سوڈن کی ایک اسپرل کے سامنے گھٹنے ٹیک بیٹھے، یہ انہیں کے تو صاحبزادے ہیں؟

فاطمہ کے سپٹ میں ایک زور کا مروڑ اٹھا۔ اور اس کا رنگ زرد ہو گیا۔ یوں بھی ہو سکتا ہے۔ اس نے کبھی سوچا ہی نہ تھا کہ اسجد کی چاہت بناوٹی بھی

اسجد کھڑا ہو گیا تو بڑی ماں نے کہا۔

"ابھی تم استغنے نہ دو اسجد، کچھ دن اور بونیورسٹی میں پڑھاتے رہو۔ جب تک تمہارے باہر جانے کا صحیح وقت مقرر نہ ہو، فارغ بیٹھنا ٹھیک نہیں ہے۔"

"بڑی ماں وہ لوگ میرا لڑکھنڈا کھڑے ہیں؟"

"کہاں؟"

"اسلام آباد۔"

"تو کیا ہوا، وہاں جا کر پڑھانے میں کیا عرج ہے، شادی سے پہلے تم بیرون ملک نہیں جا سکتے اور رخصتی تب ہوگی، جب میں دیکھوں گی کہ وقت آن پہنچا ہے، اس کے لئے تمہیں انتظار کرنا پڑے گا۔ اتنی دیر تک ملازمت کرتے رہو۔ خواہ اسلام آباد جا پڑے۔"

اسجد نے بڑا سامنہ بنایا۔

بڑی ماں اپنے کمرے کی طرف چلی گئیں۔

"اب بے چاروں سے کہاں جایا جائے گا؟"

اُفتی نے آہستہ سے کہا۔

بدول سا اسجد ادھر بیٹھیاں چڑھنے لگا۔

"بڑی ماں بھی عجیب ہیں، ظلم پر ظلم کر رہی ہیں، ایک طرف تو اسجد کا نکاح کر دیا ہے، دوسری طرف انہیں گھر سے باہر بھیج رہی ہیں۔ کچھ سمجھ آتی نہیں بی فاطمہ؟"

فاطمہ خاموش بیٹھی رہی، کچھ نہیں بولی۔ صرف سر اوجھاکر کے اُفتی کو دیکھا اور پھر چائے کی ایک ادھر پیالی بنانے لگی۔

نہ جانے ابھی آزمائشوں کے اور کتنے موڑ آئیں گے۔

واقعی اسے تو اس گھر کی کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ اسجد نے تو اس سے کہا تھا، اگر نکاح ہو گیا تو سمجھنا سب مشکلیں آسان ہو گئیں۔ مگر ابھی تک یوں لگ رہا تھا،

One Urdu Forum . Com



ہو سکتی ہے۔ مرے مرے قدموں سے چلتی ہوئی آئی۔ اور اگر کمرے میں لیٹ گئی پیٹ میں سخت درد ہونے لگا تھا۔ جانے پیٹ میں، دل میں یا پہلو میں، کہیں تو زور سے ٹپس اٹھ رہی تھی۔

ابھی کچھ دیر پہلے وہ کتنی مسرور تھی۔ رات کیسے کیسے آگیاں سپنے دیکھتی رہی تھی۔ اربانوں کی جنت اس کی گرفت میں تھی اور کیسے میٹھے میٹھے پیارے پیارے خیال آرہے تھے۔ مسکرانے کو، اور پیار کرنے کو جی چاہ رہا تھا۔

پر یہ کانٹا ایک دم پہلو میں کیسے چھب گیا تھا۔

اس کا دل رونے کو چاہنے لگا۔ جاہت میں وسوسے کیوں ستاتے ہیں۔ دم عشق کا حصہ کیوں ہوتے ہیں۔ بہم خوف دل کا دامن کیوں تھام لیتے ہیں۔ اور مستقبل اتنا مخدوش کیوں ہو جاتا ہے۔ وہ تو سمجھ رہی تھی کہ معرکہ سر کر لیا ہے۔ مگر جلتی جتانی بازی ہاری بھی جاسکتی ہے۔ بساط الٹ بھی سکتی ہے۔

”اُف... لیسوع مسیح...“

بے نیالی میں اس کے منہ سے نکل گیا۔

پھر جلدی سے بولی۔

”میرے خدا میری مدد کرے“

”میری مدد کرے“

شاید وہ رو پڑتی کہ کچھ لڑکیوں کے بولنے کی آوازیں آتے لگیں پھر شفق اور فیروزاں اندر داخل ہوئیں۔

اُس نے سر اٹھا کر نہیں دیکھا تو شفق نے اس کے سر پر ہلکی سی چپت ماری۔

”کیسے مزاج ہیں دلہن صاحبہ!“

فاطمہ نے اُس کی طرف دیکھا اور اُداسی سے مسکرائی۔

تم لوگ اب اُٹھی ہو؟

”ہاں، شفق نے انگڑائی لیتے ہوئے کہا۔

”پتہ ہے رات ہم نے شرطیں باندھ کر نفل پڑھے تھے۔ سب لوگ تھک تھک کر سوتے گئے، مگر میں اور فروزی ساری رات جاگتے رہے، صبح کی نماز پڑھ کر سوتے“

”اچھا۔ پھر ابھی تو صرف نوہی بجے ہیں، اتنی جلدی کیوں اُٹھ گئیں؟“

”بس دیر تک سونے کی عادت نہیں ہے نا، نیند کھل گئی۔ کھاپی کر دوپہر کو سو

جاتیں گے“

سٹریٹ سٹریٹ کرتی افق کمرے میں نازل ہوئی۔

”اوہو، عبادت کر کے داد وصول کی جا رہی ہے“

”اُنی کبھی تم بھی نفل پڑھ لیا کرو“ شفق نے کہا۔

”کیوں، میں فال تو گناہ ہی نہیں کرتی، تو فال تو نمازیں کیوں پڑھوں۔“ وہ بولی۔

”یہ تو صرف دل آزاری کرتی ہے بچاری، دل آزاری تو بڑا ثواب کا کام ہے۔“ نازی نے کہا۔

”ہاں کبھی کبھی زبان کا گناہ ضرور کرتی ہے اور کچھ نہیں کرتی“ فروزی نے کہا۔

تمہاری طرح ہمیں پو کر بیٹ نہیں ہوں، دل میں بُرے بُرے خیالات آتے ہیں اور

اوپر سے نمازیں پڑھتی ہیں“

دلوں کا حال تو صرف خدا جانتا ہے۔ اب تم اپنے حسد کو جس طرح بھی ظاہر کر دو کوئی

فرق نہیں پڑتا، یہ تمہاری بد نصیبی کیا کم ہے کہ تمہیں سال کے سال عبادت کرنے کی توفیق

نہیں ہوتی“

”اچھا لڑائی بند کرو اب، شفق نے بات ختم کرتے ہوئے کہا۔

”فاطمہ تم سناؤ، تمہاری رات کیسے گزری؟“

One Urdu Forum . Com



فاطمہ جواب دینے کی بجائے مُسکرائے گی۔

”خواب دیکھنے میں ہے نا“ فروزی بولی۔

”صبح بڑی ماں کے احکامات سن کر بے چاری چکرائتی ہے“ اُفتی نے وضاحت کی۔

”کیسے احکامات؟“

”یعنی آج سے ایک ماہ کے لئے بڑی ماں کے کمرے میں رہنے کی۔ یعنی زناں میں پڑی سسکتی رہے گی۔“

”بکواس نہ کرو اُفتی“ شفق نے اسے ٹوکا۔ ”بڑی ماں کے کمرے میں رہ کر تو بڑا مزہ آتا ہے“

”دیکھنا فاطمہ تمہیں وہاں بہت لُطف آئے گا۔“

”ہاں جب وہ تم سے روزانہ رات کو تفتیل اور بوجہ مستم کی کتابیں پڑھوائیں گی۔“

”کیا مطلب؟“ فاطمہ نے ڈر کر پوچھا۔

”یہ جو ہے نا“ ہشتی زیور“ کا جیڑاڈیشن شروع تو وہ یہاں سے کرتی ہیں۔ روزانہ رات کو کہتی ہیں کہ مجھے ایک باب پڑھ کر سناؤ، اب اس عمر میں انہوں نے بھلا ہشتی زیور کو پڑھ کر کیا کرنا ہے، مقصد صرف یہ ہے کہ ہمارے اندر سے زندگی کی آخری امنگ بھی نکالنا چاہتی ہیں، باقی تو سب ٹھیک ہے مگر اس میں جو میاں بیوی دالاباب ہے۔ وہ پڑھ کر تو میرا دم گھٹ گیا تھا۔ اس سائے باب کالب دلباب یہ ہے کہ بیوی کو گھر

میں ایک چلتی پھرتی لاش بن کر رہنا چاہیے۔ دیکھنا فاطمہ تم سے تو وہ یہ باب بار بار پڑھوائیں گی۔ اُس کے بعد انہوں نے تفسیروں کی اور حدیثوں کی عام فہم کتابیں بھی کھ

چھوڑی ہیں۔ ان کتابوں میں والدین، شوہر اور بزرگوں کے فوائد کی باتیں زیادہ ہیں اور ہمارے فرائض زیادہ ہیں۔ دیکھنا تو سہی نہیں کس طرح وہ زندگی سے تیز کر رہی ہیں۔“

فاطمہ کے چہرے سے ظاہر تھا کہ وہ ڈری ہوئی ہے۔

”یہ بکواس کرتی ہے فاطمہ“ فروزی بولی۔

”یہ سب کتابیں جنرل نالج کے لئے ہوتی ہیں، ویسے بھی تم نے اسلامیات کی

کتابوں میں بیشتر چیزیں پڑھی ہوں گی۔ تمہیں تو بہت کچھ معلوم ہوگا، جو بات سمجھ میں نہیں

آتی اس کی تشریح بڑی ماں کرتی جاتی ہیں“ شفق بڑے پیار سے اُسے سمجھانے لگی۔ اور

پتہ ہے، مجھے تو رات کو سونے سے پہلے بڑی ماں کے پاؤں دباننا بھی بڑا اچھا لگتا ہے۔ نرم

نرم کمزور کمزور پاؤں، خود بخود دل چاہتا ہے آدمی اُن پر اپنا سر رکھ دے۔“

مگر فاطمہ اس کی باتیں نہیں سن رہی تھی۔ اُسے تو بڑی ماں کے کمرے میں رہنے

کا ہی دشت ہو رہی تھی۔ وہ بنا بنا کر کہتا تھا، جہاں بہ لٹری ادب آداب کو ملحوظ رکھنا پڑے

کیسے سو سکے گی وہاں۔ کس طرح رہ سکے گی وہاں۔

”اور جناب گل سے مانی جی بھی فاطمہ کو قرآن پڑھانے آیا کریں گی۔“ اُفتی نے کہا۔

”ذرا دھیان سے پڑھا کرنا، مانی جی مارا بھی کرتی ہیں۔“

”سیج مچ شفق“ اُس نے بے بسی سے شفق کی طرف دیکھا۔

”نہیں فاطمہ اس کو عادت ہے بات کا بتنگڑ بنانے کی۔ مانی جی بڑی شفقت

سے کلام پاک پڑھاتی ہیں۔ ہم سب نے کلمے، نماز اور قرآن پاک انہی سے پڑھا ہے۔“

”اے اُفتی“ اس نے اچانک اُفتی کو مخاطب کیا۔ تم نے اٹھاڑیں سپائے پڑ

چھوڑ دیا تھا۔ اب تم بھی فاطمہ کے ساتھ ہی پڑھنے بیٹھ جایا کرو۔“

”مجھے کسی کی ریس میں نہیں پڑھنا ہے۔“ اُفتی نے تیش روتی سے کہا۔ دل چاہے

گا تو پڑھوں گی درنہ بالکل نہیں پڑھوں گی۔ آدھا قرآن شریف تو پڑھ لیا ہے۔ میں نے

اگر ماتی کا نہیں بھی پڑھوں گی تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ میں پیدائشی مسلمان ہوں مسلمان

ہی رہوں گی، میرے اندر کوئی یسوع مسیح نہیں ہے جسے آپ نکالنا چاہتے ہوں۔“



”یہ غلط ہے انی“ فروری غصہ سے یزلی۔ ”مسلمان ہونے کے لئے عملی طور پر مسلمان بن کر دکھانے کی ضرورت ہوتی ہے“  
 ”ہاں“

فاطمہ کا دل چاہا۔ اس وقت بولے اور خوب بولے اور اپنے دل کی ساری بھڑاس نکال لئے اور ان سے کہہ لے کہ واقعی کہنے سے نہ کوئی مسلمان بن جاتا ہے اور نہ عیسائی عیسائی یا مسلمان انسان اپنے عمل سے ہوتا ہے۔ ہر مذہب کا ایک بھرم اور احترام ہوتا ہے۔ مانا کہ مذہب اسلام دنیا کا سب سے بڑا اور مکمل مذہب ہے۔ بگ کیا تمہاری نئی نسلیں اس کا احترام کرتی ہیں۔ ذرا دیکھو تمہاری نوجوان لڑکیاں قرآن پڑھنے سے بھاگتی ہیں، نماز سے کتراتے ہیں، اپنی مذہبی آیات کا مذاق اڑاتی ہیں۔

تم نے دنیا تے جاہلیت سے فسق و فجور کے اندھیرے دور کئے اور ان کو رشد و ہدایت کی روشنی دکھائی۔ مگر اپنے گھر میں ایک نو مسلم کے جذبات کس طرح بھروسہ کر رہے ہو ہیں جو کہ عشق کو ہی اپنا دین و مذہب سمجھ بیٹھی ہوں۔ اور اس دشتِ بلا میں بے نظر کو دپڑی ہوں،

کس کے آسرے پر؟

اک تمہارے اس مذہب کے آسرے پر۔

کہ جو انسانوں کو مساویانہ درجہ دیتا ہے۔

جو دل آزاری کو گناہ کہتا ہے۔

جو کالے گورے اور امیر غریب کا فرق مٹاتا ہے۔

جو ایک اللہ کو مانتا ہے۔ اور ایک رسول کے پرچم تلے اکٹھا ہونے کو کہتا ہے۔

اور ان عظیم جذبوں کی جھلک دکھاؤ، جن سے تاریکیوں میں انی پڑی ہیں۔

خالی خالی مسلمان کی رٹ مت لگاؤ۔

میں کچھ کھو جتی ہوتی یہاں آئی ہوں۔  
 کچھ ڈھونڈتی ہوتی۔  
 دکھاؤ مجھے وہ، جو میں دیکھنا چاہتی ہوں۔  
 دو مجھے وہ جو میں پانا چاہتی ہوں۔

دل تو ابھی دہم دگمان کا اسیر ہے، اور تم محض کمائیاں سنا کر مجھے مرعوب کرنا چاہتی ہو  
 اوہ! اوہ! اس نے اپنا دل تھام لیا۔ یہ کیسے کیسے خیالات اُبل پڑنے کو بیقرار

One Urdu Forum. Com

”اُف... یسوع...“

”نہیں نہیں، میرے خدا، میرے خدا“

”میری مدد کرو!“



اور جس ستم شمار کے لئے وہ یہ سب کچھ کر رہی تھی، وہ پچھلے پندرہ دنوں سے اسلام آباد جا چکا تھا۔ بڑی ماں کا حکم جو تھا، اس لئے وہ مال نہ سکا تھا۔

اُس رات وہ ایک پل نہیں سوئی تھی، اضطراب نے اسے پاک تک نہ لگانے دی۔ جب سارا گھرانہ سو گیا تو اس کا دل چاہنے لگا کہ وہ اٹھ کر بے پاؤں اسجد کے کمرے کی طرف جائے اس کے سینے پر سر رکھ کر خوب روتے اور اس سے پوچھے۔

”فراق کی یہ کڑی منزلیں سمٹنے کی بجائے پھیلتی کیوں جا رہی ہیں؟“

”اب اس طرح مجھے چھوڑ کر نہ جاؤ۔“

مگر خوف کے مارے وہ اپنے پلنگ سے اٹھی تک نہیں۔ توبہ جو کبھی کوئی اسے اسجد کے کمرے کی طرف جاتے دیکھ لیتا تو۔ توبہ توبہ۔۔۔۔۔

اور کبھی سوچتی، کاش اسجد خود چپکے سے اٹھ کر چلا آئے۔ وہ اُس کی آہٹیں سن کر دھیرے دھیرے اُس کی سمت بڑھتی جاتے۔ پھر اندھیرے میں ان ٹھنڈے ستونوں کے ساتھ پٹ کر وہ دونوں کھڑے ساری رات باتیں کرتے رہیں جتنی کھ ستون خود بخود راہ سے ہٹ جائیں۔

واہ عشق میں آدمی ہر ناممکن کو ممکن سمجھ بیٹھتا ہے، صبح بھی ہو گئی تھی ہمیشہ کی طرح۔ اس کا ناشتے کی میز پر جانے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ ابھی وہ بیٹھی سوچ ہی رہی تھی کہ جاتے یا نہ جاتے کہ اسجد خود ہی اُس کے کمرے میں آ گیا تھا۔

وہ اُسے دیکھ کر اتنی حیران ہو گئی کہ اتنی ڈھیر ساری باتوں میں کہنے کو کوئی بات یاد نہ آئی، بالآخر اسجد ہی بولا۔

”فاطمہ! تم ادا اس نہ ہونا، آج میں اسلام آباد جا رہا ہوں۔ جلدی آ جاؤں گا۔“

اُس نے کچھ نہیں کہا، گلچم گلچم رونے لگی۔

”پنگلی اسلام آباد کچھ ایسا دور بھی نہیں، ہر اتوار کو آ سکتا ہوں۔“

One Urdu Forum . Com

اس روز اتوار تھا۔ سب لڑکیاں سامنے لان میں گھاس پڑھی گپ لگا رہی تھیں سبھوں کے بال کھلے تھے۔ کچھ تو ہنا کر آئی تھیں اور کچھ تیل لگا کے نہانے کا ارادہ کئے بیٹھی تھیں۔ صرف فاطمہ سامنے گول برآمدے میں کچھے تخت پر بجل مارے سمیٹے سمٹائی بیٹھی تھی اور مائی جی اُسے قرآن پاک پڑھا رہی تھیں۔ پڑھتے پڑھتے اگر کبھی اس کی نظر سامنے گپ لگاتی ہوتی لڑکیوں پر پڑ جاتی تو بے بسی سے وہ ایک ٹھنڈی سانس چھوڑتی۔ کتنی خوش فکر اور آزاد تھیں یہ لڑکیاں۔ چھٹی کے روزیوں سنستی کھیلتی بیٹھی تھیں۔ ایک وہ تھی کہ ابھی تک عشق کی کڑی منزلیں طے کر رہی تھی۔ لف ہے ایسے عشق پر وہ اکثر سوچتی۔ ایک زنجیر کستی ہے تو دوسری پاؤں میں آگرتی ہے اور اسجد کناے پر کھڑا اس کا ناشاد دیکھ رہا ہے۔ ذرا بھی تو نہیں کہتا تھا کہ اب ان مرحلوں سے گزرنے کی کیا ضرورت ہے۔ میری بیوی ہے، میرے حوالے کرو، میں یہاں سے لے کر کسی دُور دراز کے ملک میں چلا جاؤں گا۔ وہاں کون پڑاہ کرتا ہے کہ کون کیا ہے کتنا مسلمان ہے؟ کتنا عیسائی، نمازی ہے یا تہجد گزار۔ پرہیز گار یا ریاکار۔ ایسی باتوں کی کہانیاں بنانے کی فرصت تو اسی ملک کے لوگوں کو ہے۔



"دیکھو اس طرح رو کر مجھے رخصت نہ کرو، تم تو بڑی بہادر لڑکی ہو اور تمہیں نے مجھے جینے کا سو صلہ دیا ہے۔ میں بڑی جلدی میں ہوں، کوئی بات کرو۔"

"خط لکھو گے نا؟" اُس نے آنسوؤں سے بھری آنکھیں اٹھا کر پوچھا۔

"وعدہ نہیں کر سکتا، شاید... نہیں؟"

"کیوں؟"

"فاطمہ! وہ اُس دن بڑی ماں نے کہا تھا نا کہ ہم ایسی کوئی حرکت نہ کریں، جس سے..."

"اسجد... اسجد... فاطمہ بلک بلک کر رونے لگی۔"

"ایسا نہ کرو فاطمہ، دیکھو ابھی کوئی اندر آجائے گا۔ خدا کی قسم میں تمہارا قصہ رکھنے بغیر سانس بھی نہیں لے سکتا۔ آخر تم اتنی بے سو صلہ کیوں ہو رہی ہو؟"

"شاید کوئی آ رہا ہے، اچھا خدا حافظ..."

وہ جلدی سے باہر نکل گیا۔

کوئی نہیں آ رہا تھا، یہ اس کا دم تھا یا خوف...؟

محبت کرنے والے جب محتاط ہو جائیں تو اپنی ہی سانس کی آواز سے ڈرتے ہیں۔ اور بے خوف ہو جائیں تو بھرے دربار میں گھونگھر و بانڈھ لیتے ہیں۔

اسجد چلا گیا تھا، اور اس نے جا کر کوئی خط نہیں لکھا تھا، بلکہ پندرہ دن ہو گئے تھے اور وہ ایک چھٹی پر بھی نہیں آیا تھا۔ ہر روز وہ اس کے خط کی آس لے اٹھتی۔

حالانکہ وہ جانتی تھی کہ اس گھر میں اس کا خط آنا ایک انہونی سی بات ہے۔ اور ہر ہفتے کی شب اس کی آمد کی منتظر رہتی۔ ہر دن آس دیاس کے گھر دندے بنا بنا کر تھک جاتی تو پلکیں تر ہو جاتیں۔

یوں وہ کسی پر ظاہر نہ کرتی تھی کہ اس کے دل کی کیفیت کیا ہے، کیسے طوفان

میں جو اس پُرسکون چہرے کے اندر اٹھ رہے ہیں۔

پچھلے ایک مہینے سے وہ مائی جی کے حوالے کر دی گئی تھی، پہلے انہوں نے اسے چھ کلمے ترجمے کے ساتھ یاد کرائے تھے۔ پھر ان کلموں کی اہمیت بتائی تھی، اس کے بعد یسنا القرآن شروع کر دیا تھا۔ اور ساتھ ہی ساتھ نماز بھی یاد کرائی جاتی تھی۔ ویسے وہ بلا کی ذہین تھی۔ تھوڑا سا زبان کو موڑنے کا ڈھنگ آیا تو سب کچھ اُس نے جلدی جلدی سیکھنا شروع کر دیا۔

بلکہ جب تک وہ بڑی ماں کے کمرے میں رہی۔ اُن کے ساتھ پانچوں وقت کی نماز پڑھتی رہی۔ پہلے پہل تو یہ اٹھک بیٹھک اسے بڑی عجیب لگتی تھی۔ اور گچ نہیں منہ میں بڑبڑاتے جاؤ، کبھی بیٹھ جاؤ، کبھی کھڑے ہو جاؤ، کبھی جھک جاؤ، ایک سخت سی ایکسر سائز ہی تھی۔ پھر رفتہ رفتہ وہ اس کی عادی ہو گئی۔ اور تو بہ جو کبھی نماز میں اس کا خیال ایک نکتے پر رہا ہو۔ مائی جی نے بہت دفعہ بتایا تھا کہ نگاہ سجدے کی جگہ پر رکھو اور دھیان اللہ کی طرف رکھا کر۔ نگاہ صرف سجدے کی جگہ پر کہاں ٹکمتی تھی وہ تو ساری جائے نماز کے ڈیزائن پر درڑتی تھی۔ کبھی ان سبز گنبدوں پر، کبھی برآمدوں میں کبھی کعبہ شریف والے سیاہ ڈیزائن پر درڑتی تھی، کبھی اس پیل پر، کبھی اُس پھول پر۔ اور دھیان اللہ کی طرف جاتا ہی نہ تھا۔

اللہ کیا تھا؟

کیسا تھا؟

اس کا کوئی تصور اس کے ذہن میں نہ تھا۔

جس طرح یسوع مسیح کا ایک تصور اس کے ذہن میں ہے، ایک ایسج ہے ان پراسٹی فلیمس بن چکی ہیں، جن میں ایک انتہائی خوبصورت، معصوم چہرے اور مقدس آنکھوں والا ایک جوان دکھایا جاتا ہے، جس کے چہرے سے شرافت اور نیکی کی کرنیں



چھوٹی رہتی ہیں اور نور کا ایک بالہ ہمہ وقت اس کے چہرے کے گرد رہتا ہے۔  
 وہ فدائی صفات والا نوجوان ایک دم سے سیجا لگتا ہے۔ تبھی جب بھی مشکل میں  
 وہ یسوع مسیح کو پکارتی تھی، اور سینے پر صلیب کا نشان بنانے لگتی تھی۔ وہی من موہی  
 صورت اس کے تصور میں آجاتی تھی، دل کو ٹھنڈک سی پہنچتی اور ایسے محسوس ہوتا جیسے  
 یسوع مسیح نے مدد کے لئے ہاتھ آگے بڑھائے ہوں۔  
 مگر۔

اللہ میاں جی کیسا ہے؟

کس طرح اسے تصور میں لایا جلتے۔ وہ سوچ سوچ کر اور پوچھ پوچھ کر تھک

گئی تھی۔

وہ جو عظیم تر ہے۔

اُن داتا ہے، سمیع ہے، بصیر ہے، علیم ہے۔

کہ جو نور ہی نور ہے۔

اور ہر جگہ اور ہر شے میں جلوہ گر ہے۔

اس کو کس طرح تصور میں لایا جائے۔

کس طرح دھیان کو اس پر مرکوز رکھا جاتے۔

وہ حیران ہوتی تھی کہ یہ جو ساری دنیا کے مسلمان ہیں، جب نماز پڑھتے ہیں تو کس

طرح خود کو خدا کے روبرو سمجھتے ہیں۔ اور کیسے اُن دیکھے خدا کا قُرب حاصل کر لیتے ہیں

کہ ایمان کی اس قوت پر جان تک فدا کر دیتے ہیں۔ اُس کے تُوذہن میں خدا کے بارے

میں اس قدر سوالات آتے تھے کہ کبھی کبھی وہ خود گھبرا اٹھتی تھی کہ اس پر کوئی اور

فتویٰ نہ لگ جائے۔

مگر چونکہ اس نے دل سے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس لئے آنکھیں بند کر کے

اسلام کی پیروی کرنے لگی تھی۔ ساری نماز اس نے رٹ لی تھی۔ اور فر فر پڑھ لیا کرتی تھی۔  
 دُنیا جہان کے خیال اسے نماز کے دوران ہی آتے تھے۔ کبھی نہ یاد آنے والی باتیں  
 بھی نماز پڑھنے کے دوران ہی ذہن میں آنے لگتی تھیں۔ ماما اور پاپا کا خیال بھی نماز  
 میں ہی آتا تھا۔ چرت اور اُس کی گھنٹیاں ذہن میں پھر جاتیں، بچپن کی باتیں یاد آنے لگتیں  
 بچھری ہوتی سکھیوں کے نام یاد آنے لگتے، غرض ہر بے معنی اور غیر اہم بات نماز  
 میں یاد آنے لگتی تھی۔

تبھی تو ایک بار اُفتی نے اُسے طعنہ دیا تھا کہ ابھی اس کے اندر سے یسوع مسیح  
 نکلا نہیں۔

”وہ کس طرح؟ نذرانہ تے پوچھا تھا۔“

”جب بھی بڑی ماں فاطمہ کو بلاتی ہیں، سینے پر صلیب کا نشان بناتی ہوتی جاتی

ہے۔“

”سیح فاطمہ؟ جب نذرانہ تے تصدیق چاہی تو فاطمہ نے سر جھکا لیا تھا۔“

”اب تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے فاطمہ! اس کا مطلب ہے، تم اسلام کے ساتھ

بددیانتی کرتی ہو۔ اب مشکل وقت میں تمہیں صرف درود شریف پڑھنا چاہیے۔“

فاطمہ نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ وہ جو بچپن سے ایک عادت پڑی ہوتی تھی نا

چھوٹی نہ تھی، وہ ہر مشکل میں یسوع مسیح کو پکارنے کی عادی تھی اور اب اسلام کے

ساتھ بددیانتی نہیں کر رہی تھی۔ بلکہ اللہ کو ڈھونڈنے کے لئے یسوع مسیح کی مدد چاہتی

تھی، نیک لوگوں سے مدد مانگنے میں کیا عرج ہے، وہ صحیح رہنمائی کرتے ہیں۔ کہ

اللہ کے قریب ہوتے ہیں۔

وہ تو اللہ میاں کو کھو جی پھرتی تھی۔

وہ تو اللہ میاں کو دیکھنا چاہتی تھی۔



گیا، دو تین بار سبق دہرا کر اُس نے قرآن پاک کو چوم کر جزدان میں رکھا۔ اور الماری  
کے ادپر والے خانے میں رکھ کر باہر آگئی۔

اُسے محسوس کرنا چاہتی تھی۔

ایک بار تعلق کی وہ ڈور باندھنا چاہتی تھی، جس سے ہمیشہ اس کے دل کے تار  
ٹپتے رہیں۔ اور کبھی کبھی وہ سیور عریض سے مدد مانگتی تھی اس لئے کہ بچپن میں وہ اُن کے  
بھجن گاتی رہی تھی۔

ایک بار بڑی ماں نے اسے پیار سے سمجھایا تھا۔

”اتنی جلدی جلدی نماز نہ پڑھا کر دو، نماز تو بڑی آہستگی، محبت اور خلوص کے ساتھ  
پڑھنی چاہیے۔ اگر تمہارا دھیان تمہارے بس میں نہیں رہتا تو نماز کے ایک ایک لفظ  
پر غور کیا کر دو۔ اور ساتھ ساتھ ذہن میں اس کا ترجمہ بھی دہراتی جایا کر دو، اس طرح خیال  
کس نہیں بھٹکے گا“

تو اس نے ترجمے پر غور کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس سے واقعی یہ فائدہ ہوا کہ خیال  
ادھر ادھر نہیں جاتا تھا۔ مگر کبھی کبھی ایسے ہوتا کہ ترجمہ گڈمڈ ہو جاتا، اور وہ یاد کرنے  
میں ہی اتنی دیر لگا دیتی کہ جہاں کھڑی ہوتی وہیں کھڑی رہ جاتی۔

بہر حال ابھی دن ہی کتنے گزرے تھے، اور اب تو اس نے پہلا سپارہ بھی شروع  
کر لیا تھا، مانی جی نے بڑی ماں کو خود بتایا تھا:

”اب تک میں نے جتنی بھی بالغ لڑکیوں کو قرآن مجید پڑھایا ہے۔ فاطمہ ان سب  
میں سب سے زیادہ ذہین ہے“

اور فاطمہ بھی بڑی دلجمعی سے پڑھ کر اپنی ذہانت کا پورا پورا ثبوت دے رہی  
تھی۔ مانی جی کے جانے کے بعد خود بھی کافی دیر تک بیٹھی سبق یاد کرتی رہتی۔

مانی جی نے تیسویں پارے کی چھوٹی سورتیں بھی اُسے زبانی یاد کرائی شروع  
کر دی تھیں۔

آج جب مانی جی اُسے پڑھا کر رخصت ہو گئیں تو اُس سے زیادہ دیر نہ بیٹھا



”کون کرتا ہے۔ منافقت اُفتی؟“ فاطمہ نے افسردگی سے کہا۔ اور کس بات کو تم ہیپو کر لسی کہتی ہو؟“

”اب یہی دیکھو نا۔ میرا مائی جی سے پڑھنے کو دل نہیں چاہتا تو پڑھنے سے انکار کر دیا ہے۔ یہ نہیں کہ لوگوں کو دکھانے کے لئے آگے سپارے دکھ کر سر ملاتی رہوں“ چاہت کچھ بھی سمجھ میں نہ آئے۔

”ہاں، تم نے مسلمانوں کے گھر میں جنم لیا ہے، تم حدیث و سنت کو بڑا بھی کہو گی تو تمہیں کوئی کچھ نہ کہے گا، اور اگر میں اصول کی بات اٹھاؤں گی تو مجھے بے دین ہونے کا طعنہ مل جائے گا۔ تمہاری نئی پود بیج چوراہے کے اپنے مذہب کو بڑا بھلا کہتی ہے اور اپنی مذہبی روایات کا مذاق اڑاتی ہے، کوئی ان کو کچھ نہیں کہتا، تم کو اپنے مذہب کے بارے میں کچھ علم نہیں ہے، حالانکہ میں نے مذہب اسلام کا وسیع مطالعہ کیا ہے اور اس کی ننگن پر اپنے ماں باپ کو قربان کر دیا ہے، میں نے اسلام کی روح کو سمجھا ہے، لیکن مجھے زبان بندی کا حکم ہے اور میری ہر حرکت پر کڑی نگاہ رکھی جاتی ہے، کیا یہ انصاف ہے دوستو!“

”لیکن وہ یہ سب سوچ کر رہ گئی، زبان سے صرف اتنا کہا: ”کوئی بھی چیز جذبے اور ننگن کے ساتھ سلکھی جاسکتی ہے زیادہ دیر تک انسان نہ خود کو فریب دے سکتا ہے اور نہ دوسروں کو“

”اب دیکھو نا بڑی ماں کی یہ کتنی زیادتی ہے“ اُفتی اس کی سُننے بنا کہے گئی۔ ایک طرف تو اس بے چاری کا اسجد سے نکاح کر کے اُسے خوش کر دیا ہے، دوسری طرف اسجد کو کوسوں دور بھیج دیا ہے اور ستم پر ستم یہ کہ زبردستی اس کے اندر اسلام اندل رہی ہیں۔

”زبردستی کیوں؟“ سب لڑکیاں چیخ اٹھیں۔

سفید دوپٹے کی بگل مارے جب وہ لان میں لڑکیوں کے دائرے میں آ بیٹھی تو اُفتی نے سیب کھاتے کھاتے معنی خیز انداز سے اس کی طرف دیکھا اور بولی:

”لو آگئی بی ججن“

”اے مسلمان کیا ساری ان بگلوں میں گھسی ہوئی ہے، جو تم روز بروز اپنے آپ کو لپیٹ سمیٹ کر رکھتی ہو، یہ سارا دکھاوا ہے، حالانکہ دل سے تم ان بندشوں اور فرسودہ طور طریقوں کو پسند نہیں کرتی ہو، اور پھر نکاح تو تمہارا ہو ہی چکا ہے اب کس بات کا ڈر ہے؟“

فاطمہ نے کچھ نہ کہا۔

فروزاں بولی:

”لو شروع ہو گئی چمقلش، ادھر سے بی فاطمہ آئی اور ادھر اُفتی شروع ہو گئی، اُفتی بتاؤ تو سہی تمہیں فاطمہ کو دیکھ کر چابی کیوں لگ جاتی ہے۔“

”میں بس ذرا منافقت کو پسند نہیں کرتی“ اُفتی نے ناک پڑھا کر کہا۔



”یہ سب تو فاطمہ کی مرضی سے ہوا ہے، کیوں فاطمہ؟“

اور یہ فاطمہ کے عظیم ہونے کا ثبوت ہے کہ اُس نے اپنا مذہب، اپنا ماضی اور اپنے والدین کو اپنی محبت پر قربان کر دیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک وفا شعار عورت محبت کے لئے بڑی سے بڑی قربانی دے سکتی ہے۔“

”تو پھر اس کو اس بھجھٹ میں پڑنے کی بجائے ایک اونٹ ہی ذبح کر دینا چاہیے تھا۔“

اُفتی نے بے ہودہ پن سے کہا۔

کچھ لڑکیاں زور سے ہنس پڑیں۔

”ہاں اس کے پاس دلائل ختم ہو جائیں تو یہ ہمیشہ بے ہودگی پر اتر آتی ہے۔“

سورانی نے کہا۔

”کیوں دلائل ختم ہو گئے؟ اُفتی غزالی۔ اُس نے کوئی اسلام سے متاثر ہو کر مذہب نہیں بدلا ہے۔ اسجد بھائی سے متاثر ہو کر اسلام قبول کیا ہے، تو جب اسجد بھائی اس کو مل جائیں گے، یہ کیا احترام کرے گی اس مذہب کا؟“

”بھئی ناک اس طرح پکڑو یا اس طرح، بات تو ایک ہی ہے، مسلمان ہو جانا ہی بہت بڑی عظمت ہے۔ اور ہم تو فاطمہ کا بہت احترام کرتے ہیں۔“

”آپ کو منافقت کی عادت جو پڑی ہوئی ہے۔“

”بکو اس بند کرد اُفتی، تمہیں بی جما لو بننے کا بڑا شوق ہے۔“

ظاہر ہے تمہارا گھر جو اجاڑا ہے میں نے۔“

”خیر میرا گھر تمہارے جیسی بد باطن کی دُعا سے نہیں اُترے گا۔ مگر سوتج بو

کسی کی دلازاری سے تمہیں بھی سکون نہیں ملے گا۔“

ابھی اُفتی کچھ کہنے والی تھی کہ گیت پر ایک دھماکہ ہوا۔ سب نے مڑ کر ادھر

دیکھا۔ بلال اپنی سوزو کی سے گیت کھول کر اندر آ رہا تھا۔

”اوہو، آج بہت دنوں کے بعد جناب حبشی آئے ہیں۔“

بلال اس مرتبہ واقعی پندرہ دنوں کے بعد آیا تھا، ویسے وہ ہر اتوار کو ہی آیا کرتا

تھا۔ پہلے وہ بڑی ماں کے پاس ہی رہتا تھا۔ مگر اس سال چونکہ فاطمہ فائل ایڑ تھا، اور

لڑکیاں ہر وقت اس سے اپنے کام کو دانی رہتی تھیں، یا پیر چل کر دانی رہتی تھیں۔

اس لئے بڑی ماں نے اسے ہوسٹل میں بھجوا دیا تھا۔

ہفتے کی رات کو آ جاتا تھا۔ اور ڈھیر سارے میلے کپڑے اٹھالاتا، بڑی ماں دھلاؤ کے

لمسٹری کر دیتیں اور وہ اتوار کا سارا دن رہ کر چلا جاتا تھا۔

فاطمہ سے اس کا تعارف ہو چکا تھا، مگر کبھی مفصل بات نہ ہو سکی۔ ایک تو اس لئے

کہ خود ہی فاطمہ سمجھ گئی تھی کہ اس گھرانے میں لڑکوں سے گھل مل کر بات کرنا اچھا نہیں سمجھا

جاتا۔ دوسرے وہ اپنی ہی اُلجھنوں میں ڈوبی رہتی۔ بس سلام و دعا سے زیادہ بات ہی

نہیں کرتی تھی۔ مبادا کوئی الٹی سیدھی بات منہ سے نکل جائے اور شامت آجائے۔

اُفتی نے جب حبشی کا نعرہ لگایا تو سب لڑکیوں نے مڑ کر بلال کی طرف دیکھا۔ وہ

بہنی سوزو کی اندر برآمد سے کی طرف لے جا رہا تھا۔ اُس نے اس بات کی پرواہ نہیں

کی کہ گراؤنڈ میں ڈھیر ساری لڑکیاں بیٹھی ہوئی ہیں۔

”جناب منہ اٹھائے کدھر تشریف لے جا رہے ہیں۔ ایک بولی۔“

”شاید بڑی ماں کے قدم چھو کر حق خوشامد ادا کرنا چاہتے ہیں۔“ اُفتی نے جواب دیا۔

”حالانکہ اسے تمہارے قدم چھونا چاہئیں۔“ سلطنت نے وار کیا۔

”میں تو اسے اس قابل بھی نہیں سمجھتی۔“ اُفتی نے بڑے غرور سے کہا۔

”اسی لئے تمہیں بھی اس قابل نہیں سمجھا گیا۔“ اس بار سلطنت کا دارکاری تھا۔

اُفتی اُن سُنی کر گئی۔

One Urdu Forum . Com



"اوسو" اُفتی نے طنز سے اسے دیکھا۔ میں تو بھول ہی گئی تھی کہ آپ یہاں تشریف

فرما ہیں، اور ظاہر ہے، آپ کالے رنگ کی حمایت میں نہ بولیں گی تو کون بولے گا۔  
 ویسے فخر نہ کرنا، یہی ایک آدمی اس گھر میں ایسا ہے جس کے سامنے تم گوری لگتی ہو، میرا  
 خیال ہے اس بیچاے کو بھی نسل بدلنے کے لئے گوری چھی عورت مل ہی جائے گی۔  
 "ہاں یقیناً" بلال نے ہنستے ہوئے کہا۔ "تم سے گوری بیوی ہونی چاہیے میری۔"

"میری جانے جوتی" اُفتی نے کہا۔

"اُفتی زبان کو لگام دو" شفق غصتے سے بولی، پھر بلال کی طرف دیکھ کر بولی۔ "آئیے  
 مچھیے بلال بھائی، بہت دنوں کے بعد آئے۔"

بلال قریب آ کر گھاس پر بیٹھ گیا، اور خوش دلی سے بولا۔

"اس گھر میں دو ہی فرشتے ہیں، ایک شفق اور دوسری فاطمہ"

"کیوں فاطمہ بھابی! میں نے غلط کہا"

"ہاں جی۔ اس کو کہتے ہیں، من ترا حاجی گویم، تو مرا ملا بگو۔ کالا کالی کی تعریف کر

رہا ہے"

اُفتی نے جل کر کہا۔

"نہیں فاطمہ بہت نیک لڑکی ہے اور اسجد بہت خوش قسمت آدمی ہے،

مگر تم بھلا اس سے اتنا کیوں جلتی ہو، جبکہ شفق خاموش رہتی ہے؟" بلال نے پوچھا

"بھائی میں آپ کے لئے چائے لاؤں۔ شفق نے جلدی سے موضوع بدل دیا۔

"نہیں شفق مچھی رہو میں چائے پی کر آ رہا ہوں"

"نہیں میں بنا لاتی ہوں" شفق کھڑی ہو گئی۔ "سب کو طلب ہو رہی ہے۔" شفق جانے

کو تھی کہ سامنے گیٹ کھلا اور بڑی ماں وارد ہوئیں۔ بلال ان کی جانب لپکا اور سب

لڑکیاں ادھر ادھر بکھر گئیں۔

"ارے بڑی ماں تو اندر نہیں ہیں" ترانہ بولی۔

"بڑی ماں حلیمہ آسنٹی کے ہاں میلاد شریف پر گئی ہیں" شفق نے جواب دیا۔

"اس کالونی میں جب عورتوں کو آؤٹنگ کے لئے کوئی مشغل نہیں ملتا تو بے چاری

میلاد شریف کر کے نئے پچڑوں کو ہوا لگاتی ہیں"

"چلتے اُفتی جی اب کالونی والوں کے پیچھے پر گئیں" ترانہ بولی۔

"کسی بات کا تو احترام کیا کرو اُفتی" خنداں نے کہا۔

"تم نے کبھی میلاد شریف کے دوران عورتوں کی گفتگو سنی ہے" اُفتی نے کہنا شروع

کیا۔ ذرا سی دیر کو بے چاری زبان بند نہیں رکھ سکتیں۔ آگے نعت خوانی ہوتی رہتی ہے

اور پیچھے عورتیں مچھی ڈبل جار جٹ، اُٹل کریپ اور امریکن جار جٹ کے ریٹ ملتی رہتی

ہیں۔ اور کتنے پٹھانوں کو انہوں نے لوٹا اور کتنے پٹھانوں نے ان کو لوٹا ہے۔ مزے لے

لے کر یہ قصے بیان کرتی رہتی ہیں"

"خیر اتنا بھی مبالغہ نہ کرو اُفتی" مکنت بولی۔ "تعلیم یافتہ عورتوں کی محفل میں اب

ایسی بے ہودگیاں نہیں ہوتیں۔ ڈاکٹر آسنٹی کے ہاں میلاد شریف پر کتنا لطف آتا

ہے۔ کیسی مقدس محفل ہوتی ہے۔ کتنے سکون سے عورتیں سنتی ہیں اور کتنی جانسوز

نعت خوانی ہوتی ہے"

"اسلام علیکم لڑکیو! ایک دم سے بلال وارد ہو گیا تھا۔

"یا منظر العجائب! آپ کا کالا ہونا ہی ایک عجب ہے۔ اس پر آپ ایسی عجیب

غریب حرکتیں کیوں کرتے ہیں"

اُفتی کے اس ریمارک پر فاطمہ کو پہلی مرتبہ غصہ آیا، بولی:

"اُفتی تمہیں بڑے بھائی کو ایسا نہیں کہنا چاہیے۔ اور کالا ہونا کوئی عیب نہیں

سب مخلوق خدا کی پیدا کردہ ہے"



اُن اللہ ایک اور آزمائش:

ایک اور امتحان

کیا یہ آخری امتحان ہوگا؟

یا تقویٰ کی منزلیں آگے بھی آئیں گی۔

ڈرتے سمیت اس نے پہلا روزہ رکھا، سحری کے وقت خوب کھایا۔ خوب پانی

پیا، بلکہ جب تک سائرن نہ ہوا، گھونٹ گھونٹ پانی پیتی رہی۔ جس پر لڑکیوں نے اُس  
 کا خوب مذاق اڑایا۔

مگر جب پہلا روزہ بخیر و عافیت گزر گیا تو اُسے تسلی ہو گئی کہ کوئی ایسا کٹھن کام

نہ تھا۔ بس ذرا قوتِ ارادی کی ضرورت تھی اور جوانی تو قوتِ ارادی کو پورا پورا ایندھن  
 مہیا کرتی ہے۔

پھر روزہ روزہ گزرتے لگا۔

اسے بہت اچھا لگتا۔ پچھلی رات سب لوگ جاگ جاتے، عجیب سا سماں ہوتا۔

کھانے کے کمرے میں پراٹھوں کی خوشبو تیس پھیل جاتی۔ سب ہنس بول کر سحری کھاتے  
 پھر نماز پڑھنے چلے جاتے۔

شام کو ایک انگ اہتمام ہوتا، یوں محسوس ہوتا، کوئی جشن منایا جا رہا ہے اور

یہ بھی لگتا جیسے یہ اہتمام ہر روزہ دار کے لئے ہے، ہر شخص کی جو روزہ رکھتا تھا، خواہ

ملازم تھا۔ اس گھر میں اسی شان سے آؤ بھگت کی جاتی تھی، جیسے روزہ ایک مقدس

بندھن تھا اور اس کو اسی ٹھاٹھ باٹھ سے رخصت کرنا تھا۔

افطاری کا سماں فاطمہ کو بہت اچھا لگتا۔ گو سارا دن اعصاب پر ایک کمزوری

سی طاری رہتی، لیکن روزہ کھولنے کے بعد طبیعت اس قدر ہشاش بشاش اور

مسرور ہو جاتی تھی کہ وہ حیران ہوتی کہ کیا یہ روزے کی کوئی حرمت ہے کہ وہی ہمیشہ

ماہِ رمضان بھی آگیا، آگے بھڑ نہیں جاتا۔ اس کے دنوں کی رفتار بھی عام دنوں  
 کی سی ہوتی ہے۔ کتنی شدت سے اس کا انتظار کیا جاتا ہے اور اس کی آمد کے لئے  
 کیا کیا اہتمام کئے جاتے ہیں۔ کچھ لوگوں کی تو یہ سوچ کر سانس رکھنے لگتی ہے کہ ہائے  
 تیس روزے کیونکر گزریں گے؟

تیس روزے۔

تیس صدیاں؟

حالانکہ بس پہلا روزہ کڑا ہوتا ہے۔

زندگی عجیب شے ہے، جلدی عادی ہو جاتی ہے، جلدی مانوس ہو جاتی ہے

اللہ تعالیٰ نے انسان میں قدرتی طور پر لچک رکھی ہے اسی لئے تو وہ موسموں کے

تغیروں و تبدل کا مقابلہ بڑی خوش دلی سے کرتا ہے۔

روزوں کا سُن کر فاطمہ بھی گھبراتی تھی۔

اس قسم کے روزے اُس نے کبھی نہ رکھے تھے۔ یعنی مکمل فاقہ؟

اور جو وہ سہار نہ سکی، بودی ثابت ہوئی تو سب کیا کہیں گے؟ اس کا ایمان کمزور تھا۔

One Urdu Forum . Com



ایک بار بہت سارے جو عملے جمع کر کے زندگی کا عزم کرنے لگی تھی۔  
اسجد نے ان دوری کے دنوں میں اسے بر روز ایک خط لکھا تھا اور اب خطوں  
کا وہ بندل جاتے وقت اسے دے گیا تھا، کیونکہ پوسٹ کرنا ٹھیک نہ تھا۔  
اُن کس قدر خوبصورت تھے وہ خط۔

اس کی والہانہ محبت کے امین۔

کتنی گرمی، کتنی شدت تھی ان خطوں میں۔

ہجر کے ایک ایک لمحے کا حساب تھا۔

اور خطوں کو پڑھ پڑھ کر وہ دیوانی ہوئی جیسی تھی۔ ہر روز سونے سے پہلے وہ

ان خطوں کو باری باری پڑھتی۔ بھی ہر دن پہلے سے خوبصورت لگتا تھا۔

اسجد اتنی ڈھیر ساری خوشیاں اسے دے کر چلا گیا تھا، اور وہ زندگی کے ساتھ

ہنستی گاتی چل پڑی تھی۔

اب اسے کسی سے کوئی شکوہ نہ تھا۔ حتیٰ کہ اُن کی کوئی بات بھی بُری نہیں لگتی

تھی۔

مگر عجیب بات تھی، جب سے اس نے اُن کی باتوں کا برا ماننا چھوڑ دیا تھا، اُن کی

نے خود ہی خاموشی اختیار کر لی تھی، اب وہ کسی سے کچھ نہ کہتی، خاموش اور کم سم

ایک کونے میں پڑی رہتی۔ کبھی کبھی اُس نے اُن کو روتے بھی دیکھا تھا۔ جانے اور

لوگ اس کی اس حالت سے بے خبر تھے یا جان بوجھ کر توجہ نہیں دیتے تھے۔ مگر

اسے تو بہت کھد بد لگی رہتی۔ ایسی لڑکی جو ہمیشہ شہد کی ملکتی بنی رہتی تھی اور

کانٹوں سے اُلجھنا اس کی عادت تھی۔ اُس کو بھلا کیا ہو گیا ہے۔

ایک بار اُس نے دل کڑا کر کے اُن سے پوچھ ہی ڈالا۔

اُس روز وہ تراویح پڑھنے کے لیے کمرے میں آئی تو اُن کو اندھے منہ لیٹی ڈھری

والا کھا نا زیادہ لذیذ، زیادہ مزیاں زیادہ اہم لگتا ہے۔ ہر شے میں اس قدر حُسن آجاتا ہے  
اور آدمی اپنے تئیں کس قدر پاک اور صاف محسوس کرتا ہے۔ جیسے کہ ہر روز باطن میں  
لگے ہوئے جالے خود بخود دُمل جاتے ہوں۔

تھی ہر روزہ اسے پہلے سے اچھا لگا۔

ہر روزے نے اس پر عرفان و آگہی کے دروا کئے۔

ہر روزہ ایک نیا روحانی تجربہ لایا۔

تو اسے روزے رکھنے میں لطف آتے لگا، یوں اسے سمجھ آگئی کہ یہ مسلمان

کیوں رمضان کا اتنا شاندار استقبال کرتے ہیں۔ اور روزے کو اپنے نفس کی طہارت

کے لئے کیوں ضروری سمجھتے ہیں۔ اللہ کی خوشنودی کی خاطر اپنے نفس کو کس طرح

قابو میں رکھتے ہیں۔

واہ - !

یہ ایک انوکھا تجربہ تھا۔

آج بیسواں روزہ تھا، اور اب لڑکیوں نے عید کے کپڑے بنانے اور خریدنے

شروع کر دیئے۔ ایک اور گہما گہمی بڑھ گئی تھی۔

اس مرتبہ فاطمہ بھی ہر بات میں بڑھ پڑھ کر حصہ لے رہی تھی۔

یوں بھی پہلے روزے کو مسجد اچانک آگیا تھا۔ وہ فاطمہ کے لئے پرفیو مز اور ایک

خوبصورت مسکسی لایا تھا۔ اور اس نے پہلے نہ آسکنے کی معذرت کی تھی کہ وہاں ہوسٹل

کا کھانا کھا کر وہ بیمار ہو گیا تھا اور اپنی بیماری کی اطلاع دے کر فاطمہ کو پریشان نہیں

کرنا چاہتا تھا۔

اس نے پورا ایک گھنٹہ نکال کر فاطمہ سے خوب خوب باتیں کی تھیں۔ تب فاطمہ

کے دل کا سارا غبار دھل گیا، مسجد کی صورت دیکھ کر وہ سارے دکھ بھول گئی تھی، اور

One Urdu Forum . Com



فاطمہ! تم اب ہمارے گھر کا ایک فرد ہو، میرا خیال ہے، تمہیں بہت سی باتوں کے بارے میں بتادینا چاہیے۔

تمہیں یہ تو پتہ چل چکا ہے کہ ہماری امی ہمیں بچپن میں چھوڑ کر چلی گئی تھیں۔

ہاں! فاطمہ نے سر ہلایا۔

"بڑی ماں نے مجھے اور اُنکی کو بہت محبت سے پالا ہے۔ اسی گھر میں کبھی کسی کمی کا احساس نہیں ہونے دیا۔ اُنکی ذرا جذباتی ہے۔ بڑی ہونے کے ناطے اسے اپنی ماں سے جذباتی لگاؤ بھی تھا۔ اور اپنی ماں اچھی طرح یاد بھی تھی۔ شاید اس نے ذہنی طور پر اس سارے سیٹ اپ کو قبول ہی نہیں کیا تھا، مگر اس گھر میں اس کی دلچسپی کی ایک ذبہ تھی۔ امد میرا کزن اور اسجد کا بڑا بھائی۔ دونوں بچپن سے ہی ساتھ ساتھ رہے تھے۔ ایک دوسرے سے مانوس بھی ہو گئے تھے۔

پھر ایک روز بڑی ماں نے امد اور اسجد کی منگیلیوں کا اعلان کر دیا۔ ظاہر ہے امد کی نسبت انہوں نے اُنکی کے ساتھ ٹھہرائی۔ اُنکی بہت خوش تھی اور امد بھی، کبھی اس نے بے دلی کا اظہار تو نہیں کیا تھا۔ پر نہ جانے کیا ہوا ایک دم کہیں سے مومن ممالوں کا خط آ گیا اور امد کے ذہن میں بھونچال آ گیا۔ اس کے سر میں ایک ہی سودا سما گیا کہ وہ سوئیڈن اپنے ڈیڈی کے پاس جائے گا۔ اس کی ضد دیکھ کر بڑی ماں نے صاف کہہ دیا کہ وہ اُنکی کو اپنی دلہن بنا کر لے جائے۔

امد نے پہلے تو دبے دبے انکار کیا، پھر ایک دن اُنکی کے کمرے میں جا کر اسے صاف صاف سنائیں اور کہا: وہ اس جیسی بے وقوف، بے ڈھنگی اور معمولی صورت کی لڑکی سے شادی نہیں کرنا چاہتا۔ وہ تو ہمیشہ سے غیر معمولی لڑکی کے خواب دیکھتا رہا ہے۔ اور اُنکی کو کیا آتا ہے، نہ پہننے کا ڈھنگ، نہ اوڑھنے کا سلیقہ۔ گفتگو کرنے کے انداز تک سے واقف نہیں، ہر وقت گندی غلیظ بنی رہتی ہے، ایسی لڑکی ہرگز

تھی۔ اس کی سسکیاں صاف سنانی دے رہی تھیں۔

گو اُنکی پورے روز نے رکھ رہی تھی، مگر نماز کبھی نہیں پڑھتی تھی۔ سب کچھ کہہ کر تھک گئے تھے۔ وہ کب کسی کی سنتی تھی۔

لڑکیاں سب باہر صحن میں تراویح پڑھتی تھیں۔ ایک اندھی حافظہ ہر سال تراویح پڑھانے آتی تھیں۔ اور اُنکی اتنی لمبی نماز کا سُن کر ہی اپنے کمرے میں گھس جاتی تھی۔

آج جب فاطمہ کمرے میں آئی تو اُنکی کو اس بڑی طرح روتا دیکھ کر اُس سے رہ گیا اس کے قریب بیٹھ گئی اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر پیار سے بولی:

"اُنکی! تمہیں کیا ہوا ہے؟"

اُنکی ایسے چوکی جیسے کسی نے اُسے کاٹ لیا ہو، پھر اپنی سوچی ہوئی لال لال آنکھوں سے اسے گھور کر بولی:

"مجھے کسی کی ہمدردی کی ضرورت نہیں ہے۔"

"میں ہمدردی تو نہیں جتا رہی، میں تو پوچھ رہی ہوں، تمہیں کیا تکلیف ہے، کیا میں تمہاری کوئی مدد کر سکتی ہوں؟"

"میں بھکارن نہیں ہوں، مجھے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔" اُس نے پھر عقصے سے کہا۔

"میں بہن بن کر تو مدد کر سکتی ہوں نا؟"

"میں نے کہہ جو دبا فاطمہ مجھے تنگ نہ کر، ورنہ میں اس کمرے سے نکل جاؤں گی۔"

فاطمہ اس کی عادت کو جانتی تھی۔ اٹھ کر اپنے بستر پر آ گئی۔

یہ لڑکی اس گھر میں اچھا خاصا پرابلم تھی، کبھی نہ حل ہونے والا مسئلہ۔ دوسرے دن اُس نے یہی بات شفق سے کہی تو شفق نے سب کچھ تسلیم کر لیا اور بولی:



فاطمہ نے دیکھا، اس کی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو تھے، پھر وہ آنسو بخاروں پر ڈھلک آئے۔

اس کے بعد ایک دو تین، کئی آنسو ٹوٹھک آئے۔

دونوں تھوڑی دیر خاموش رہیں۔

شفق نے اپنی آنکھیں اور چہرہ صاف کیا۔

پھر خود ہی بولی۔

”امی جان نے سرے سے اُفتی کو پہچاننے سے انکار کر دیا۔

سینے سے لگانے سے انکار کر دیا، اپنانے سے انکار کر دیا۔

ماتنا مکر گئی، اور دودھ بدل گیا۔

سناقم نے؟

شاید... شاید بہت مجبور ہوگی میری ماں، کیونکہ ماں کبھی سنگدل نہیں ہوتی۔

”تم مانو، جب اُفتی واپس آئی تو بالکل اس کی حالت پاگوں والی تھی، چیختی چلاتی تھی

کپڑے پھاڑ دیتی تھی، رشتے ناٹوں سے اس کا ایمان اُٹھ گیا تھا۔

اب تو پھر بھی اچھی حالت میں ہے۔

اب تمہیں اندازہ ہو گیا ہو گا کہ بڑی ماں اسکی گستاخیاں اوسبے ہو دگیاں کس لئے

برداشت کر لیتی ہیں اور کیوں اسے اتنی ڈھیل دے رکھی ہے، اور باقی سب لوگ بھی

اُفتی کی باتوں کا برا نہیں مانتے، اس کو اپنے غصے اور نفرت کے اظہار کے لئے خوب

موقع دیتے ہیں، وہ ابھی اچھی طرح ٹھیک نہیں ہوئی، لیکن ہمیں امید ہے وہ رفتہ

رفتہ ٹھیک ہو جائے گی۔“

”البتہ رمضان شریف میں اُس پر قنوطیت کے دورے اسی طرح پڑا کرتے ہیں،

اس کی وجہ میں بتاتی ہوں۔“

میری بیوی نہیں بن سکتی۔

احد اتنے کچھو کے لگا کر چلا گیا، اور اُفتی کی زندگی میں ایک انقلاب آگیا، تمہیں نہیں

معلوم، اس سے پہلے اُفتی بہت ہی نفیس، کم گو اور پیاری لڑکی تھی۔ ایف۔ ایف۔ ایف میں پڑھتی

تھی۔ کلاس میں بہت ہوشیار تھی۔ سہیلیاں بناتی تھی، بات کرنے کا سلیقہ تھا۔ احد کے

ریما کس نے اسے ایک بڑی لڑکی بنا دیا، چوڑی، ایک ایک سے الجھنے والی، حاسد

بد زبان، اپنے آپ سے بے نیاز، کپڑوں سے لاپرواہ، امتحان کے بعد اُس نے

پڑھائی چھوڑ دی اور عجیب شے بن گئی۔

پھر ایک دن نہ جانے اس کے جی میں کیا سمائی کہنے لگی کہ میں اپنی امی کے پاس

جاؤں گی۔

وہ ماں، جس نے پلٹ کر ہماری خبر نہ لی تھی یا جس کی مجبور یوں نے اُسے ہماری

ماں نہ کہلوانے دیا تھا۔

اُفتی کی اس عجیب و غریب ضد کے آگے بڑی ماں بھی مجبور ہو گئیں۔ ان کو معلوم

تھا کہ احد کی بے وفائی کا جدمہ پہلے ہی اُفتی کو پاگل کئے دے رہا ہے، ممکن ہے اپنی

ماں سے ملنے کے بعد کچھ سنبھل جائے۔

امی جان کو خط لکھ کر اس کی آمد کی اطلاع دی گئی۔

مگر ادھر سے کوئی جواب نہیں آیا۔

میں نے اُفتی کو بہت سمجھایا کہ اس طرح جانا ٹھیک نہیں۔ اب وہ دوسرے آدمی

کی بیوی ہیں، پتہ نہیں ان کے کیا حالات ہیں۔ مگر اُفتی نے میری ایک نہ سنی۔

”بڑی ماں نے ایک مُلازم کے ساتھ انہیں بہت سے تحفے تحائف دے کر روانہ

کر دیا، پھر جانتی ہو کیا ہوا؟

یہاں پر شفق رک گئی۔



اُنی رمضان المبارک میں پیدا ہوئی، ہماری امی بھی ہمیں اسی مہینے میں چھوڑ گئی تھیں، پھر اہل خانہ نے بھی اسی مہینے میں اس کا ساتھ چھوڑا۔ عید پر وہ ماں کے پاس گئی تھی۔ اس نے اسے ٹھکرا دیا، وہ اپنے ہر جنم دن پر ماں کا انتظار کیا کرتی تھی۔

اھ! اسے تنہا دیا کرتا تھا، کارڈ لایا کرتا تھا، مگر اب وہ بالکل بالوس ہے، جب بھی اس کا جنم دن آتا ہے، وہ اسی طرح بالوسوں میں ڈوب جاتی ہے، ہم اسے کچھ نہیں کہتے۔ کہیں بھی تو کیا کہیں، بچاری خود ہی رو دھو کر ٹھیک ہو جاتی ہے۔“  
شفق چپ ہو گئی۔

فاطمہ کے دل پر گہرا اثر ہوا۔ بولی:

”شفو! مجھے ہرگز معلوم نہ تھا، اُنق کے ساتھ اس قدر تم ہو چکے ہیں، ہلتے میں تو ہمیشہ غلط سمجھتی رہی۔“

”دوست! اس کو ہر کوئی غلط سمجھ لیتا ہے۔ مگر اب اس کو اس بات کی پرواہ نہیں ہے، تم نے دیکھا نہیں، اس نے اپنی شخصیت مسخ کر لی ہے۔“

”مگر ہمیں اس کا کوئی حل ڈھونڈنا چاہیے شفو۔“

”حل تو خدا کی طرف سے عنایت ہوتے ہیں، ہم کیا کر سکتے ہیں۔“

”اھ بھائی نے کبھی کوئی خط نہیں لکھا؟“

”بڑی ماں کے پاس ان کے خط آتے ہیں۔ مگر اُنق کے بارے میں کچھ نہیں لکھا ہوتا۔“

”کیا انہوں نے دہاں شادی کر لی ہے؟“

”ابھی تک تو نہیں کی، بالآخر کر لیں گے۔“

”اور ہاں۔“ فاطمہ کو ایک دم سے کچھ یاد آ گیا۔ تم نے ابھی بتایا تھا کہ بڑی ماں نے

اھ! اور اسجد کی منگنیوں کا اعلان کر دیا تھا، یہ تو بتایا ہی نہیں کہ اسجد کی منسوبہ کون تھی؟“

”ارے۔“

شفو نے ایک دم کلائی کی گھڑی دیکھی اور بولی:

”لو باتوں ہی باتوں میں عصر کا وقت نکل گیا۔ اب قضا پڑھنی پڑے گی۔ چلو پہلے نماز

پڑھتے ہیں، پھر افطاری کا وقت ہو جائے گا۔ باقی باتیں میں پھر کسی دلت بتاؤں گی۔“



"تم مجھے بہت اچھی لگنے لگی ہو افق" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ اب تم کتنی جلی کٹی سناؤ، مجھے پردہ نہیں۔ میں تمہیں ایک اچھی دوست بن کر دکھاؤں گی۔ اور مجھے معلوم ہو گیا ہے تم دل کی بہت اچھی، پیاری اور مخلص لڑکی ہو۔

"اچھا، خلاف معمول افق نے سوگواروں سے ہنس کر کہا۔ تمہیں یہ معلومات کس نے پہنچائیں؟"

"مجھے شفو نے تمہارے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے۔"

"افق خاموش ہو گئی، جیسے اتھاہ اداسیوں میں ڈوب گئی ہو۔"

"انی" فاطمہ نے پکارا۔

تو اس نے نظریں اٹھا کر دیکھا، اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ شاید وہ رو رہی تھی۔

"اچھا ہوا فاطمہ تمہیں بھی میری رسوائیوں کا علم ہو گیا؟"

"بے وقوف" فاطمہ نے اس کے گلے میں باہیں ڈال دیں۔ گھٹیا تو وہ لوگ ہوتے ہیں جو کسی کی قدر و قیمت نہیں جانتے، تم تو ایک عظیم لڑکی ہو۔"

"خیر! میں الفاظ کے ہیر پھیر سے متاثر ہونے والی نہیں۔" افق نے اس کے بازو ہٹاتے ہوئے کہا۔

"مجھے معلوم ہے" فاطمہ ہنسنے لگی۔ "تم بڑی صاف اور کھری زبان استعمال کرتی ہو۔"

"یقین کرنا تمہاری باتیں سن کر مجھے ہمیشہ بہت مزہ آتا ہے۔"

"شکریہ! افق نے کہا۔"

"واہ! اس میں شکریے کی کون سی بات تھی؟"

"مجھے ہمدی، ترس، انس، محبت سب سے نفرت ہے۔"

"ہونی بھی چاہیے؟" فاطمہ نے کہا۔ ان باتوں میں کیا رکھا ہے؟"

"افق نے چونک کر فاطمہ کی طرف دیکھا، وہ سچ کہہ رہی تھی یا مذاق کر رہی تھی۔"

فاطمہ کے چہرے پر خلوص تھا۔

One Urdu Forum . Com

اور اب جب سونے کے لئے فاطمہ لیٹر پٹی تھی تو اس کے دل میں کئی ہزار کانٹے ایک ساتھ چبھ گئے تھے۔ یہ کیسا دکھ تھا۔ ایسا دکھ اسے زندگی میں پہلے کبھی نہیں ہوا تھا، اتنی قنوطیت، اتنی گہری اداسی، اتنا درد، اتنی کسک... اور جانے کیوں وہ آپ اپنی نظروں میں گرتی چلی گئی۔ اپنا آپ بہت چھوٹا اور گھٹیا لگ رہا تھا۔

وہ مسجد کی خاطر اتنی بڑی قربانی کر کے جانے اپنے آپ کو کیا سمجھ رہی تھی۔ آج اُسے پتہ چلا کہ دنیا میں کس قدر عظیم انسان بستے ہیں، بہت اونچے بہت خوبصورت۔

آج اسے معلوم ہو رہا تھا کہ ایسا کیا شے ہے، کردار کی عظمت کسے کہتے ہیں۔

ہوایوں کہ جب وہ تراویح پڑھ کر حسب معمول شفو کے کمرے میں گپ لگانے گئی تو شفو نے یہ کہہ کر تہی بھادی کہ آج اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔

وہ واپس اپنے کمرے میں آگئی۔

"افق جاگ رہی تھی، مگر وہ افسردہ سی بیٹھی تھی۔"

"انی کیسی ہو ڈارنگ؟"

اس نے اتنی خوش دلی سے کہا کہ افق نے حیرت سے نظر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔



”دعہ کرتی ہوں“

شکو نے تمہیں یہ نہیں بتایا ہو گا کہ اس کی نسبت اسجد بھائی سے ٹھہری تھی اور وہ چلے چلے اسجد بھائی کی یوں پوجا کرتی تھی جیسے دیویاں من مندر میں اپنے دیوتاؤں کو بھا کر پوجتی ہیں۔ اسجد بھائی کی ایک جھلک شفو کے لئے زندگی کا عنوان تھی۔

پھر جانتی ہو کیا ہوا؟

اسجد بھائی نے ایک دن کہہ دیا کہ میں شفو سے شادی نہیں کر سکتا، مجھے اتنی گوری چٹی بلوریں لڑکی پسند نہیں ہے، میں تو سانولی سلونی لڑکیوں کو پسند کرتا ہوں مجھے گورے رنگ سے گھن آتی ہے۔

تم نے دیکھا فاطمہ، اس گھر کا کتنا عجیب دستور رہا ہے۔

اعد نے مجھے بھکرایا کہ میں خوبصورت نہ تھی۔

اسجد نے شفو کو بھکرایا کہ وہ بہت خوبصورت تھی۔

میں اپنی بد صورتی کا ماتم کروں یا وہ اپنے حسن کو منجوس قرار دے۔

میں خدا سے کیا مانگوں؟

وہ خدا سے کیا چاہے؟

میں یہ کہوں کہ باری تعالیٰ مجھے حسنیٰ کی گڑیا بنا دے۔ کہ جیسی احد کے خیالوں

میں ہے۔

اور شفو یہ کہتی رہے، میرا رنگ روپ لے لے کہ میرا دیوتا اس سے ظاہر ہوتے

نہیں فاطمہ! یہ سب قدرت کے کام ہیں، تقدیر کی باتیں ہیں۔ یہاں انسان سے پس

ہے، ہم سب کھلونے ہیں، ٹوٹتے پھوٹتے رہتے ہیں، ہمارے ساتھ کون کھیل رہا ہے

کون عظیم ہے۔

کون گھٹیا ہے۔

”دنیا میں ہر آدمی کا کوئی وزن ہوتا ہے، کوئی قیمت ہوتی ہے اور اسی کے مطابق اس کی قدر و منزلت ہوتی ہے، میں تو اس خیال کی حامی ہوں، اور اسی لئے میں تمہیں عزت کی نگاہ سے دیکھنے لگی ہوں۔“

”مکن ہے شکو نے کچھ مبالغہ آرائی کی ہو؟“

”نہیں شفو ایسی لڑکی نہیں ہے، بڑی سچی اور سیدھی لڑکی ہے۔“

”ہاں فاطمہ! شفو فرشتہ ہے، اس گھرانے میں فرشتہ۔ بلال ٹھیک کہتا تھا، شاید۔“

شفو اس گھر میں نہ ہوتی تو میں مر گئی ہوتی۔ اُن کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

”ہاں تم ٹھیک کہتی ہو، شفو تم پر جان دیتی ہے۔ مگر اُنی، دیکھنا آج کے بعد میں بھی تمہیں

شفو کی طرح چاہوں گی، اور وقت ثابت کرے گا۔“

”اگر میں تمہیں یہ بتا دوں کہ شفو نے کتنا بڑا ایثار کیا ہے تو شاید تم زندگی بھر اس کا

قرض نہ چکا سکو۔“

”کیا... کیا...؟ فاطمہ نے حیرت سے پوچھا۔ بتا دو اُنی پلیر۔“

”شفو نے تمہیں اپنے متعلق کچھ نہیں بتایا؟“

”نہیں تو۔“

”وہ ایسا ہی کرتی ہے، یوں ظاہر کرتی ہے، جیسے وہ انسان نہیں، پتھر کا ٹکڑا

ہے، احساسات نہیں رکھتی، دل نہیں رکھتی، نظر نہیں رکھتی۔ مگر اس کے پہلو میں دل

بھی ہے۔ احساسات بھی ہیں اور وہ انسان بھی ہے۔ ہاں مگر انسانوں سے افضل۔

کاش میں بھی شفو بن سکتی۔“

”مجھے سچ سچ بتاؤ اُنی پلیر، اب تو میں تمہارے خاندان کا ایک فرد بن گئی ہوں،

دیکھو تو شفو نے بھی آج مجھے ساری باتیں بتادی تھیں۔

”ہاں اس دعوے پر بتا سکتی ہوں کہ تم زندگی بھر شفو کے آگے اظہار نہیں کر دو گی۔“



یہ فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔

لیکن بہر حال، تقدیر کے فیصلوں کے آگے سر تو جھکانا ہی پڑتا ہے۔“

چھ دن ہو گئے تھے، پورے چھ دن۔ اور فاطمہ اپنی قنوطیت سے نہ نکل سکی تھی۔ سردم الجھنے والی اور غیر انسانی حرکتیں کرنے والی اُفتی نے نہ جانے اس روز فاطمہ سے کیا کہا تھا کہ وہ دن بدن دردِ عالم میں ڈوبتی جا رہی تھی۔

اس نے اسجد سے عشق کیا تھا، پھر عشق کی خاطر اپنا مذہب تبدیل کیا تھا، والدین چھوڑ دیئے تھے۔

مگر شفو کے آگے وہ کتنی حقیر لگ رہی تھی۔

شفو، جس کی ماں نہیں تھی، باپ مر چکا تھا، خوبصورت تھی۔ تعلیم یافتہ تھی، ٹھکانی گئی تھی۔

اس نے بھی عشق کیا تھا، وہ بھی اسجد کو پالینا چاہتی تھی۔

کیا نہیں تھا اس میں۔

مگر کتنی خاموشی سے ایک طرف ہٹ گئی تھی۔

کبھی اپنے ماتھے کی جنبش سے بھی ظاہر نہیں ہونے دیا تھا کہ فاطمہ کے آنے سے اس کی زندگی کی سب سے بڑی خوشی چھن گئی ہے، بلکہ اسی نے اس گھر میں دم

قدم پر فاطمہ کو سہارا دیا تھا، محبت اور اعتماد دیا تھا۔!

کیا تھی یہ شفو بھی؟ ایسا کیا ہوتا ہے۔ اب اسے سمجھ آتی تھی۔

فاطمہ جتنا اس کے بارے میں سوچتی، اپنا آپ ذلیل لگنے لگتا، حالانکہ اس

نے حالات کا خوب اچھی طرح جائزہ لیا تھا اور ہر بار حالات نے اسے بے اختیار

ثابت کیا تھا۔ یہ تو اسجد کا قصور تھا، مگر اسجد کا بھی کیا قصور تھا۔ سب دل کے معاملے

ہیں اور تقدیر کے کہیں ہیں۔ اگر اللہ کو اس طرح منظور نہ ہوتا تو وہ جلد جلد یوں ساری

منزلیں طے نہ کرتی۔

اس گھر میں آنا، مسلمان ہونا، اپنا یا جانا۔

سب اللہ کے حکم سے ہوا ہے۔

پھر یہ کیسی پھانس ہے جو کلیجے میں اٹک سی گئی ہے۔

چھ دنوں سے وہ شفو سے آنکھ نہیں ملا سکی تھی اور نہ شفو نے ہی اس سے

کھل کر بات کی تھی، شاید اس دن کے بعد سے اس کے بھی کسی پرانے زخم کے ٹانکے

کھل گئے تھے کہ وہ خود ہی اٹک تھلک ہو گئی تھی۔

یہ دنیا بھی عجیب جگہ ہے۔

جس شخص کے قریب جا کر دیکھو وہی کسی نہ کسی آگ میں جل رہا ہے۔ مگر ہر شخص

غلاؤں کے اندر ہی جی رہا ہے۔

یہ پرے، یہ غلاف

جب کوئی یہ پرے چاک کر دیتا ہے تو وہ اُفتی بن جاتا ہے۔ پھر اُفتی کو ذہنی طور پر

کون قبول کرتا ہے۔

اتنی خوشیوں کے بعد دل کیسا ادا اس تھا۔

کسی کام میں جی نہ لگتا۔

وہ اللہ سے دعائیں مانگتی، کہ اگر اُس نے کوئی گناہ کیا ہے تو اُس کی موت

واقع ہو جائے۔

اور کیا حل تھا ان سب باتوں کا۔

رمضان شریف کی وجہ سے کسی نے اس کی مصطلح طبیعت کا حال نہ جانا کہ آخری

روزوں میں تو سبھی گم گم ہو جاتے ہیں۔ وقتِ مدافعت کم ہو ہونے لگتی ہے۔

ان دنوں میں فاطمہ نے بڑی دلچسپی کے ساتھ نمازیں پڑھی تھیں۔ اور اللہ کو



خوب رو رو کر پکارا تھا، اور وہ جانتی تھی، اس وقت خدا کے سوا کوئی اُسے سہارا  
نہیں دے سکتا۔

اسجد جاتے جا۔ تے کہہ گیا تھا کہ وہ آخری جمعے کو آجائے گا۔ کیونکہ عید پر اسے  
دس چھٹیاں ہو رہی تھیں۔

پرنہ جانے کیوں، اب اسے اسجد کے آنے کی خوشی بھی نہیں ہو رہی تھی۔

پرسوں آخری جمعہ تھا۔

اور آج چھبیسواں روزہ تھا۔

بڑی ماں پہلے روزے سے ہی معتکف ہو گئی تھیں، ہر ماہ رمضان میں وہ پورا  
مہینہ اعتکاف میں بیٹھا کرتی تھیں، سب گھر والوں سے پردہ ہوتا تھا، صرف دو لوگوں  
کی ڈیوٹی لگتی تھی، جو انہیں کھانا وغیرہ دینے اندر جاتے تھے یا جن سے وہ کوئی ضروری  
بات کر لیتی تھیں۔ اس مرتبہ انہوں نے صرف بی بی آپا اور فاطمہ کی ڈیوٹی لگائی تھی سحری  
کا سارا کام بی بی آپا کرتی تھیں اور افطاری کی تمام تر ڈیوٹی فاطمہ کے ذمے تھی۔ شام  
کو جب فاطمہ افطاری کا سامان لے کر بڑی ماں کے کمرے میں جاتی تو سفید لباس  
میں ڈھکی چھپی بڑی ماں اسے ہر روز پہلے سے زیادہ مقدس دکھائی دیتیں۔ ہر روز  
ان کے چہرے پر پہلے سے زیادہ نور ہوتا اور وہ حیران ہو جاتی کہ یہ اتنی نور کی لہریں  
ان کے کمرے میں کہاں سے آجاتی ہیں۔

تب وہ چاروں طرف دیکھتی، اور حیران ہوتی کہ شاید اللہ میاں ہمیں کہیں  
چھپ کر رہتا ہے۔



کہاں ہے بھلا اللہ میاں۔

کس کس ملاش تھی اُس کو اللہ میاں کی۔  
کتنی شدت سے وہ اسے دیکھنا چاہتی تھی۔

نیک لوگوں میں —

پاک جگہوں میں —

خوب صورت پھولوں میں —

نیکی کے ہر بول میں —

آخر خدا کہیں نہ کہیں تو نظر آئے گا۔

تب وہ اسے دل میں بٹھا کر دل کے پٹ موندے گی کہ پھر وہ دل میں ہی ہے  
اسے ادھر ادھر کہیں نہ کھو جانا پڑے۔

رات کو سونے سے پہلے وہ بڑی ماں کے کمرے میں پانی رکھنے جاتی، تو اکثر بڑی  
ماں اپنی انتہائی پرسوز آواز میں مثنوی مولانا روم کے فارسی اشعار پڑھتی نظر آتیں۔

کیا دل میں اتر جانے والی آواز تھی۔

جیسے گھپ اندھیروں میں ایک ایک کر کے سمعیں جل رہی ہوں۔ فارسی اسے  
سمجھ نہ آتی تھی، مگر بڑی ماں کا لہجہ تو میساکا وہ پھاہا تھا، جو جلتے رستے زخم کو ٹھنڈک  
اور تسکین پہنچاتا ہے، جب وہ کہتیں:

سپر دم بتو مایہ خویش را

تو دانی حساب کم و بیش را

وہ کیا کہتی ہیں، خدا جانے، اس کی سمجھ میں تو نہ آتا، مگر وہ کوئی ایسی بات ضرور  
کہتی تھیں، جو دلوں سے نکل کر سیدھی آسمانوں کی طرف اڑ جاتی ہے۔

بڑی ماں نیکی کا ایک سہیل تھیں۔

کہ انہیں دیکھ کر ایک دم خدا کا خیال آتا تھا۔

تب وہ سوچا کرتی، خدا بھی یہیں کہیں بڑی ماں کے آس پاس کسی دزل جائیگا۔  
کتنا انوکھا خیال تھا۔

جو کسی سے کہہ دیتی تو پھر چاہے اس کی شامت ہی آجاتی۔

آج ستائیسویں شب تھی۔

اس لئے گھر بھر کا ارادہ خوب عبادت کرنے کا تھا۔ ستائیسویں شب کی فضیلت

کے بارے میں فاطمہ شروع رمضان سے ہی سن رہی تھی۔ پہلے مائی جی نے سوڑ قدر

یاد کراتے ہوئے اس رات کی برکتیں بتاتی تھیں۔ پھر تراویح کے دوران حافظہ صاحبہ

نے اس پر روشنی ڈالی تھی۔ لڑکیاں بھی اپنی اپنی بساط کے مطابق اسے اس رات

کی عظمت کے متعلق آگاہ کرتی رہی تھیں۔

پھر نہ جانے کیوں رفتہ رفتہ اس کی ساری توقعات اور مرادیں اسی رات سے

وابستہ ہوتی گئیں۔

جو اللہ اس قدر قریب ہو کر سنا ہے۔

اور ضرور سنا ہے۔

تو وہ اسے سنائے گی۔

اُسے منائے گی۔

نہ جانے کیوں جوں جوں ستائیسویں قریب آتی جاتی تھی۔ اسے یوں لگتا تھا۔

منزل قریب آتی جاتی ہے۔

اب جبکہ وہ ایک نئی الجھن میں گرفتار تھی، ایک نیا غم اس نے پلو سے مادھ

لیا تھا، تو وہ حل چاہتی تھی، سکون مانگتی تھی، عفو و درگزر کی تمنائی تھی

یہ سب کچھ وہ کیسے مانگے گی اسے معلوم نہ تھا۔



پھر آہستہ سے بولی۔

”اچھا“

”اُنی“ فاطمہ نے خوش دلی سے کہا۔ تم میرے لئے دعا کرنا اور میں تمہارے لئے جس کی دعا میں خلوص ہوگا، وہ سُنی جائے گی۔“

”تمہارے لئے کیا دعا کروں فاطمہ! تمہیں تو بن مانگے اللہ نے سب کچھ دے دیا ہے“ لیکن ابھی شاید میری آزمائشیں ختم نہیں ہوئیں“ فاطمہ نے شفو کی طرف دیکھ کر کہا۔

”اچھا یہی دعا مانگنا کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنے اچھے بندوں میں شامل کرے“ ٹھیک ہے“ اُنی ہنسنے لگی۔

روزہ کھولنے کے بعد لڑکیوں نے تھوڑا سا آرام کیا، پھر باہر ترائیج پڑھنے چلی گئیں۔

حافظہ جب ترائیج پڑھا کر چلی گئی تو انہوں نے اپنی اپنی جگہ سنبھالی اور نواہل پڑھنے شروع کر دیتے۔

کچھ لڑکیاں چھت پر بی بی آپا کے ساتھ پڑھنے لگیں کچھ بڑی ماں کے کمرے میں چلی گئیں۔

اُنی، شفق اور فاطمہ نے گول برآمدہ چنا۔

وہاں باہر کا منظر بھی نظر آتا تھا، اور گرمی بھی زیادہ نہیں لگتی تھی۔ ہر طرف سے لاؤڈ سپیکروں کے ذریعے قرآن خوانی اور نعت خوانی کی آوازیں آرہی تھیں، تھوڑی تھوڑی دیر بعد جب اللہ اکبر کی آواز گونجتی تو یوں احساس ہوتا کہ مسجدوں میں ابھی تک نمازی عموماً عبادت ہیں۔

مگر سورانے اسے بتایا تھا کہ اس رات جو شخص ساری رات عبادت کرتا رہتا ہے، اس کو اللہ تعالیٰ کا جلوہ نظر آتا ہے، اس رات میں ایک پہر ایسا ضرور آتا ہے جب ہر شے نور میں بنا جاتی ہے، اس وقت نیک اور اچھے لوگوں کو اللہ کا دیدار نصیب ہوتا ہے۔

”اور پتہ ہے اس لمحے میں اللہ سے جو بھی مانگو، وہ دیتا ہے۔“

تمکنت نے آنکھیں پھاڑتے ہوئے کہا۔

”کوئی دعا ضرور مانگنی چاہیے“

”اس وقت مجھے چونکا دینا جب رنگ پر محفل آجائے۔“ اُنی نے غلاف معمول بڑی اداسی سے کہا۔

تب فاطمہ کا خیال ایک دم اُنی کی طرف چلا گیا۔

”اُنی! میں ساری رات جاگوں گی اور تمہارے لئے دعا مانگوں گی۔“

”کیا مانگوں گی میرے لئے؟“ اُنی نے پوچھا۔

”وہ سب جس کی تمہیں ضرورت ہے۔“

”مجھے تو خود معلوم نہیں مجھے کس شے کی ضرورت ہے۔“

”مگر اللہ تو جانتا ہے کہ تم کیا چاہتی ہو؟“

”ہاں، مگر کسی کو کسی کے لئے مانگنے کا ہوش کب ہوتا ہے۔“

”نہیں، خدا کی قسم آج رات میں تمہارے لئے ڈھیر ساری دعائیں مانگوں گی“

فاطمہ نے ایک جذبے سے کہا تھا۔

”اُنی تم کیوں نہیں آج ہمارے ساتھ نفل پڑھتیں؟“

شفو نے اچانک آکر کہا۔

تو اُنی پہلی مرتبہ بالکل خاموش ہو گئی۔



اس نے ابھی پچاس نفل پڑھے تھے اور اس کا سارا جسم ٹوٹنے لگا تھا، سب لوگ عجیب سے تسلسل سے سجدے پر سجدے کئے جا رہے تھے۔  
رات کا پچھلا پر تھا، شاید ڈھائی یا تین بجے ہوں گے۔ وہ سستانے کی خاطر جائے نماز پر بیٹھ گئی۔ بیٹھے بیٹھے اسے یوں محسوس ہونے لگا، جیسے اس کا دل بند ہو جائے گا۔

جلدی سے اٹھ کر وہ باہر نکل آئی۔

لان میں ٹہلتی ہوئی فوارے کے پاس آگئی۔

ٹھنڈی ہوا لگی تو اس کو سرور آنے لگا۔

مسلل اٹھنے بیٹھنے سے وہ ترتر ہو رہی تھی۔

وہاں وہ فوارے والے حوض کے کنارے پر بیٹھ گئی۔

جانے آج جی کیسا کیسا ہو رہا تھا —

بے اختیار رونے کو دل چاہ رہا تھا۔

پچھلی راتوں کا ادا مل چاند، چمکتے ستاروں میں ماند ہوا جا رہا تھا۔ آج آسمان پر ستاروں کا زور تھا۔

بڑی عجیب رات لگ رہی تھی واقعی —

اسے کبھی تمام رات جاگنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ پوری کی پوری محسوس رات اس نے کبھی نہ دیکھی تھی۔

مکمل رات

مجسم رات

ایک ایک پل .....

چھت پر اس کی نظر گئی تو وہاں بھی لڑکیاں اٹھتی بیٹھتی دکھائی دیں، دوپٹوں کی

بکلوں میں عجیب طرح لگ رہی تھیں۔

پھر رات خاموشی کی طرف بڑھنے لگی۔

ہنگامے سونے لگے۔ .....

رفتہ رفتہ ہر شے پر خاموشی کی چھاپ لگنے لگی۔

رات کا اپنا ایک چلن ہے۔ .....

ہنگاموں کو سلا دیتی ہے۔ .....

پھر تنہائی اور سناٹا چار طرف سے سر اُبھارنے لگتا ہے۔

پر آج تو شب زندہ دار اس رات کا دامن تھامے ہوئے تھے۔ خصوصاً اس گھر میں

ہر شخص عبادت کر رہا تھا۔ بڑے ہوش و خروش سے، بڑے خشوع و خضوع سے،

بڑی لگن سے۔۔۔۔ ہر کوئی مگن تھا، کوئی کسی کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا، جیسے ہر

کوئی آج اللہ سے کچھ نہ کچھ حاصل کر لینے کے درپے تھا، یا پھر ہر کوئی اللہ کو دیکھنے

کا تمنائی تھا۔

یہ کیسی تمنا تھی

فاطمہ نے دل میں سوچا۔

پھر اس کا دل گھبرانے لگا۔



اس کی آنکھوں میں آنسو آئے جاتے تھے، عبادت میں جی نہ لگ رہا تھا۔  
 مایوسی سی چھاتی جا رہی تھی۔  
 میں تجھے کہاں کہاں کھوجوں گی اللہ میاں جی؟  
 اُس نے ایک ٹھنڈی سانس چھوڑی۔  
 ہوا کا ایک تیز جھونکا اس کے قریب سے گزر گیا۔  
 اور اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے، دل دھک دھک کرنے لگا۔  
 اچانک اس کے دل میں خیال آیا کہ اگر اللہ میاں نظر آ بھی گیا تو وہ اسے کیسے پہچانے گی؟  
 نظر اٹھا کر اُس نے آسمان کی طرف دیکھا۔  
 اُف آسمان کیسا ہو رہا تھا، کس قدر دُپ تھا آسمان پر۔  
 ستارے اتنی شدت سے شاید پہلے کبھی نہ چمکے تھے، آسمان کا کونہ کونہ متور ہو  
 رہا تھا۔ رات ہونے کے باوجود آسمان پر ایک نورانی سحر چھا رہی تھی۔ درختوں کی طرف  
 دیکھا تو جیسے پتہ پتہ جاگ رہا تھا، سانس لے رہا تھا۔ عبادت کر رہا تھا، دیواروں کی طرف  
 دیکھا تو جیسے باادب ہمہ تن انتظار بنی کھڑی تھیں۔ گھاس کو دیکھا تو جیسے زندگی کے احساس  
 سے دمک رہی تھی، جھوم رہی تھی۔ یوں محسوس ہونے لگا۔ آج کائنات کی ہر شے،  
 ذرہ ذرہ حمد و ثنا میں مصروف ہے۔  
 جانے کیوں آج ہر شے جاندار لگ رہی تھی۔  
 اللہ میاں پتہ نہیں ادھر سے نظر آئے گا یا ادھر سے۔  
 خوف کے مارے وہ جہاں بیٹھی تھی، پتھر ہو گئی۔  
 کبھی ادھر دیکھتی، کبھی ادھر۔ احصاب پر انجانا سا خوف سوار ہو رہا تھا۔  
 یکایک جیسے نور کا ایک چشمہ پھوٹا۔  
 اور ساری کائنات کی نگاہ آسمان پر ٹپک گئی۔

کبھی کبھی بڑی ماں کے کمرے سے ان کی بھاری بھاری، میٹھی میٹھی پُرسوز آواز بھی  
 آنے لگتی۔ خاموشی تھی اور سپردم تو... کی لہر ہوا کے شانوں پر سوار ہو کر اس تک پہنچ  
 رہی تھی جیسے دُور کوئی دیباچہ کر قریب بلا رہا ہو۔  
 یکایک فاطمہ کو مائی جی کی باتیں یاد آنے لگیں۔  
 "یہ بڑی متبرک رات ہوتی ہے۔ یہ رات ایک ہزار مہینوں سے افضل ہوتی ہے"  
 "اس رات اپنے نیک بندوں کو اللہ اپنا جلوہ دکھاتا ہے"  
 "جلوہ کیا ہوتا ہے مائی جی؟"  
 "اللہ تعالیٰ کا نور، خود باری تعالیٰ"  
 "اچھا۔ نور کیا ہوتا ہے مائی جی؟"  
 "مہین پتہ نہیں، اللہ تعالیٰ نور کا ایک ہیولا ہے اور یہ ساری کائنات اس کا پرتو  
 ہے۔ اللہ تعالیٰ کا نظر آنا ہی اس کا جلوہ ہوتا ہے"  
 "مجھے اللہ میاں کو دیکھنے کا بہت شوق ہے، مگر میں تو نیک نہیں ہوں۔" فاطمہ  
 نے اُداسی سے کہا تھا۔ "اور ابھی ابھی مسلمان ہوتی ہوں۔"  
 "نہیں بچی اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا اللہ تو دل دیکھتا ہے، نیت دیکھتا ہے۔  
 اور پھر اللہ تعالیٰ اپنا آپ دکھانا چاہتا ہے، تو وہ دل کے فلک ایک احساس سا پیدا کرتا ہے وہ  
 دُنیا کی ہر شے میں نظر آسکتا ہے، اس کا نظر آنا، عام چیزوں کے نظر آنے کی طرح نہیں  
 ہے، سمجھیں؟"  
 "یہ بہت اونچی باتیں ہیں، ابھی تم نہ سمجھ سکو گی، ان باتوں کو سمجھنے کے لئے ایک  
 عمر چاہیے؟"  
 "ہاں ان باتوں کو سمجھنے کے لئے ایک عمر چاہیے؟"  
 اس نے دل میں سوچا۔



دہاں، ہر جگہ۔ . . . .  
ہر دل میں، ہر سانس میں۔  
میری نگاہ میں،  
میری دھڑکن میں۔  
میری سانسوں کی ہلک میں۔ تو اتنا قریب ہے کہ میں تجھے محسوس کر سکتی ہوں۔  
اللہ میاں جی!  
میری خطائیں بخش دے، مجھے قبول فرمائے، مجھے قبول فرمائے۔  
میں اور میرا دل۔ . . . .  
جیسے بھی ہیں، تیرے ہیں۔  
اب میری آزمائش ختم کر۔ . . . .  
میری کشتی کناڑے پر لگا دے۔  
صرف تیری ذات سچی ہے، باقی سب جھوٹ ہے۔  
تو ہی عشق ہے۔  
تو ہی محبت ہے۔  
تو ہی وفا ہے۔  
تو ہی مذہب ہے۔  
جو کچھ ہے، بس تو ہی تو ہے۔  
اور میں تیری داسی ہوں، بندی ہوں، پھیر ہوں، بوجھی ہوں، اب تیری ہوں۔  
اور ہاں اُنی۔ . . . .  
جانے کیسے اسے اُنی کا خیال آ گیا۔  
اور اُنی کی خطائیں بھی بخش دے۔ اور اُنی کو بھی خوشیاں دے۔

ساری زمین نے ہاتھ پھیلا دیئے۔  
ذرہ ذرہ دستِ دُعا بن گیا۔  
ایک لمحہ۔ . . . ایک عجیب، عزیز لمحہ اس کے قریب آ کر ٹھہر گیا۔  
جدھر اس نے نظر اٹھائی وہی لمحہ کھڑا تھا۔ زندہ جاوید۔ پُر نور۔ جلوہ گر۔  
اور شدتِ احساس سے اس پر گریہ کی کیفیت طاری ہو گئی۔  
دل میں جگمگ جگمگ شمعیں جلیں، درتپکے وا ہوئے۔  
گرم و گداز بالکل نئے احساس نے جنم لیا۔  
جانے کس طرح وہ حوض پر سے گری۔ اور گھاس پر سجدہ ریز ہو گئی۔  
اللہ میاں!  
او اللہ میاں!  
اللہ میاں!  
او اللہ میاں!  
چلا چلا کر وہ روئے جا رہی تھی۔ روئے جا رہی تھی۔  
تو رحیم ہے،  
تو رحمن ہے،  
تو غفار ہے،  
تو ستار ہے،  
تیرے کتنے بے شمار نام ہیں۔  
میں نہیں جانتی، میں گناہ گار ہوں، عاصی ہوں، کسی قابل نہیں۔ . . . .  
پڑیہ تو ہے، تو۔ . . . اس طرح میری دھڑکن میں، میرے روتوں میں  
آج میں نے تجھے جانا ہے، پہچانا ہے، پایا ہے، محسوس کیا ہے، یہاں



اور ہم کو معاف کر دے۔

اور ہم کو گناہے لگا۔

اللہ میاں جی!

اللہ میاں جی!

وہ رو رہی تھی، گڑ گڑا رہی تھی۔

وہ کہاں تھی، کچھ علم نہ تھا، ایسے جیسے فنا میں معلق ہو گئی ہو۔

نہ آنکھ کھولنے کی ہمت تھی۔

نہ زیادہ دیکھنے کی تاب!

حسم پر لرزہ طاری تھا۔

آنکھی نے ستم ڈھایا تھا۔

ذرہ ذرہ جیسے گنگنارہا تھا۔

یہ بتوں کی محبت بھی کیا چیز ہے۔

دل لگی دل لگی میں خدا مل گیا!

خدا مل گیا۔

خدا مل گیا۔

خدا مل گیا۔

خدا مل گیا۔

خدا مل گیا۔

بس دھڑکن ایک ہی راگ الایستی جلد ہی تھی، اور کچھ سنانی نہیں سے رہا تھا۔

کب اپنی ہی دھڑکن کی تاب نہ لاکر وہ بے ہوش ہو گئی، کب لمحے سرک گئے۔

کب کائنات نے پولا بدلا۔

اسے کہاں پتہ تھا۔

وہ تو جب سحری میں دس منٹ رہ گئے تو اُفتی کو اس کا خیال آ گیا۔

ڈھونڈتی ہوئی سوز کے کنارے آئی۔

دیکھا

فاطمہ اوندھے منہ گھاس پر سجدہ ریز ہے۔

”اے فاطمہ!“

”فاطمہ!“

اُس نے جگایا تو فاطمہ جیسے ایک لمبی نیند سے بیدار ہو گئی۔

”اُننی تم کب آئیں؟“

”اور کیا سجدے میں سو گئی تھیں؟“

”سجدے میں سو گئی تھی؟“

فاطمہ نے اپنی حالت پر غور کیا۔

کس قدر خوب صورت سجدہ تھا یہ، کاش کسی نے اس سجدے سے نہ جگایا ہوتا۔

یہ سر نہ اٹھایا ہوتا۔

اس کیفیت سے نہ جھنجھوڑا ہوتا۔

کاش زندگی یونہی سجدہ ریز رہتی۔

قیامت تک!!!



ہدایاں اڑ رہی تھیں، اور ایک دوسرے سے بیزار تھیں۔  
پر گل عید تھی۔

اور یہ خوشی کیا کم تھی؟  
عیدی کی خوشی، کپڑوں کی خوشی، کھانے پینے کی آزادی۔  
روز سے نہ ہوں تو کھانے پینے کی آزادی کی قدر بھی نہ آئے۔  
البتہ فاطمہ کی حالت کچھ اور تھی۔

ستائیسویں کی شب کے بعد سے چپ لگ گئی تھی، جانے کیا ہوا تھا، سب  
اس کی خاموشی کو محسوس کر رہے تھے، مگر کوئی کرید نہیں رہا تھا۔ یا کریدنا نہیں چاہتا تھا  
یا شاید کسی میں ہمت نہیں تھی۔

ہاں ایک اور عجیب بات بھی ہوتی تھی۔ ستائیسویں کی صبح جب فاطمہ بڑی ماں کا  
کمرہ صاف کرنے گئی تھی تو بڑی ماں نے اسے اشارے سے قریب بلا یا تھا۔ جب  
وہ ڈری جھکی اُن کے قریب آئی تو انہوں نے اسے سینے سے لگا کر اس کی پیشانی چومی  
اور ایک پھولوں کا باسی ہار اس کے گلے میں ڈال کر آہستہ سے کہا تھا۔  
”تمہیں مبارک ہو بیٹی۔“

کس بات کی؟ فاطمہ چاہتے ہوئے بھی نہ پوچھ سکی، وہ تو اتنی سی بات پر ہی ہلکا  
گئی تھی کہ بڑی ماں نے اسے سینے سے لگا لیا تھا، اور سینے سے گتے ہی کسی پیاری  
خوشبو آتی تھی۔

خوشبو۔

مقدس سی خوشبو۔

جو خداوند تعالیٰ کی یاد دلاتی ہے۔

خوشبو اور خدا۔

One Urdu Forum . Com

یہ آخری روزہ تھا۔!

تیسواں اور آخری روزہ، اس لئے سب کو یقین تھا، شام کو عید کا چاند نظر  
آجائے گا۔

آخری روزے کا اس لئے بھی بہت زیادہ اہتمام کیا جاتا تھا کہ بڑی ماں احتکاف  
سے باہر آتی تھیں۔ پورا ایک ماہ دن رات عبادت میں گزار کر جب وہ باہر نکلتیں تو  
ساری کالونی مبارک باد دینے، اور زیارت کرنے امتد آتی تھی، اس لئے اس گھر میں  
عید کا سماں ہوتا تھا۔

آج بھی شام کے لئے خوب انتظامات ہو رہے تھے، یوں لگ رہا تھا جیسے  
کوئی خفیہ مشن چل رہا ہے اور بی بی آپا، برابر بڑی ماں کے کمرے سے ہدایات لے  
کر آ جا رہی تھیں۔

آخری روزے والے دن سب ہی ہمت ہار جاتے ہیں۔ پر اس ایک لفظ آخری  
پر ہی سارا دن گزار لیتے ہیں۔

لڑکیاں بھی آج صرٹ اپنے کپڑوں کے بارے میں گفتگو کر رہی تھیں۔ گوپروں پر



فاطمہ لرزی گئی تھی۔

اس کا دل دھک دھک بولنے لگا تھا۔

پتہ نہیں اس رات کے بعد اس کے دل کو کیا ہو گیا تھا، ذرا سی بات پر دھڑک اٹھا اور سارے جسم پر لرزہ طاری ہو جاتا، ہاتھ پیر ٹھنڈے پڑ جاتے۔

شاید وہ ابھی اس جذب و کیفیت، یا زندگی کے انوکھے زوالے تجربے سے باہر نہ نکلی تھی، اسی کیفیت میں تھی، اور ششدر تھی۔

بڑی ماں نے جب اس کی پیشانی کو بوسہ دیا تھا تو اس کا دل چاہا۔ بڑی ماں کے سینے سے لگ کر زور زور سے رونے۔ پھر اس پر وہی گریہ کی کیفیت طاری ہو جاتی، پھر وہ بہت زیادہ رونا چاہتی تھی۔

پھر وہ اک اک سے حال دل کتنا چاہتی تھی۔

مگر وہ نکلوں پر آنسو سنبھالے باہر نکل آئی تھی، شاید بڑی ماں نے اُس کے آنسو دیکھ لیتے تھے، لیکن اُسے دوبارہ نہیں بلایا تھا۔

اسجد بھی آچکا تھا۔

مگر جیسے وہ اس کی موجودگی سے بے نیاز ہو چکی تھی۔

جانے کس عالم میں تھی وہ۔

لوگ سمجھ رہے تھے، شاید اسے خوشی کے اس موقع پر ملنا اور پایا یاد آ رہے ہیں

اور شاید اسجد بھی یہی سمجھ رہا تھا۔

صبح ہی صبح تکنت نے آکر اُفتی سے کہا تھا،

”اُفتی! کل احد بھائی کا خط آیا تھا“

اُفتی خاموش بیٹھی رہی تھی، مگر شفق نے پوچھا تھا۔

”کس کے نام؟“

”بڑی ماں کے نام“

”تمہیں کس نے بتایا تھا؟“

”میں نے خود دیکھا تھا، بلکہ میں ہی تو ڈاکٹے سے ساری ڈاک لائی تھی، پھر خط اندر

بڑی ماں کو بھجوا دیئے تھے“

”اچھا، شفق نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

اب کے تو کافی دیر کے بعد خط آیا ہے، جانے کیا لکھا ہوگا“

”کیا لکھا ہوگا، تم سب بھی پاگل ہو“ اُفتی ایک دم بول اٹھی تھی۔ ”مجھے عید جو آ رہی

ہے تو سعادت مند بیٹے نے کچھ ماہ بعد خط لکھ کر عید کا ادھار بھی چکا دیا ہوگا“

”ہوں۔ تو اس کا مطلب ہے تم ابھی تک اس کے خطوں کا حساب کتاب لکھتی ہو“

تکنت نے معنی خیز انداز میں کہا۔

”ابھی تک سے کیا مراد ہے، میرا کوئی حافظہ تو کمزور نہیں ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد

ہے۔ اپریل میں اس کا ایک خط آیا تھا، مختصر سا۔ ہمیشہ کی طرح اس نے اپنی ہی ذات

کے بارے میں لکھا ہوا تھا۔ اب پھر ویسا خط آگیا تو کوئی نئی بات ہو گئی کیا؟“

”معلوم کیوں“ دور بیٹھی فاطمہ نے سنجیدگی سے کہنا شروع کیا۔ ”مجھے یوں لگتا ہے،

جیسے ایک دن احد بھائی کو اپنی غلطی کا احساس ہوگا اور وہ اُفتی کو بھی ساتھ لے

جائیں گے“

”اِس خیال است و محال است و جہنم“ اُفتی نے ہنس کر کہا۔ تم اس خاندان کے

لوگوں کو نہیں جانتیں۔

جو نہیں کہیں تو نہیں رہے

کسی التبا پہ بھی ہاں نہ ہو

یہ اُفتی آج کل بات بات میں شعر بولنے لگی ہے۔ ”سلطنت نے دخل اندازی



گو بات حیران کر دینے والی تھی، مگر بڑی ماں کا حکم ماننے کی جرأت کسی میں نہ تھی  
باقی تھیڑا وقت رہ گیا تھا، سب اپنے اپنے کپڑے استری کرنے لگے۔  
ان کپڑوں کے ساتھ باقاعدہ سنگھار بھی کرنا تھا کہ اتنے بھاری بھکم کپڑوں کے  
ساتھ خالی چہرہ تو بہت ہی بُرا لگتا۔

فاطمہ نے اسجد کی فرمائش پر کاسنی رنگ کا کامدانی غرارہ سوٹ بنوایا تھا۔ اور  
دو پٹے پر خوبصورت سنہرا جال بنوایا تھا۔

وہ جب تیار ہو گئی تو بی بی آپا نے آکر کہا:  
”فاطمہ تم اپنے نکاح والے زیورات پہن کر آنا“  
ہائے کتنا عجیب لگ رہا تھا، مگر حکم کون مان سکتا تھا۔

جب سب لوگ تیار ہو کر باہر آئے،  
تو خوب میزیں چینی ہوئی تھیں پُر تکلف کھانا لگا ہوا تھا۔

کالونی کی عورتیں بھولوں کے بار اور مٹھائیاں لے کر آئی ہوئی تھیں۔ سارے  
خاندان کی عورتیں، نیپتے اور جوان جمع تھے۔

واقعی یہاں تو کسی شادی کا گمان ہو رہا تھا۔  
سائرن ہوا، اور روزہ کھل گیا۔

میزوں کے گرد جھگٹھے لگ گئے۔

”کی۔ پھر تو نہیں جنوں میں اُبال آ رہا“  
”تو یہ۔“ اُفتی کھڑی ہو گئی، میں خرد اور جنوں سے بالاتر ہو گئی ہوں“  
”شاید تمہیں جانا ہی پڑے اُفتی“ سورا بولی۔  
”ہاں اُفتی کے اس پار...“

اُفتی ہنس کر باہر نکل گئی تو شفق نے دل تھام لیا، بولی۔  
”اس کو زیادہ تنگ نہ کیا کرو۔ یہ تو باؤلی ہے، نہ جانے کیا کر گزے۔“  
”اور شفق تم کیا ہو؟“ فاطمہ کا دل چاہا اس سے پوچھے، کہ تم کیا ہو؟ یا وے تو اچھے  
ہوتے ہیں کہ کچھ کر گزرتے ہیں۔ اور لوگ ان سے ڈرتے ہیں، تم نے دانا بن کے کیا پایا؟  
مگر فاطمہ نے کچھ نہیں کہا۔  
کتاب لے کر دوڑ جا بیٹھی۔

”آج تو ظہر کی نماز کے بعد میند ہی نہ آ رہی تھی۔  
عصر کے بعد بی بی آپا کمرے میں آئیں، اور سب لڑکیوں کو جمع کر کے بولیں:  
”بڑی ماں کا حکم ہے کہ آج افطاری کے وقت سب لڑکیاں اور لڑکے وہی لباس  
پہن کر آئیں، ہوا انہوں نے عید کے لئے بنوائے ہیں۔“

”کیوں... کیوں... بی بی آپا؟“ سب ان کے سر ہو گئیں۔  
”بھئی میں کیا جانوں؟“ انہوں نے پیچھا چھڑاتے ہوئے کہا۔ ابھی بڑی ماں باہر  
آئیں گی تو پوچھ لیتا“

”اے بڑی ماں سے کچھ مت پوچھنا، ان کا کیا ہے، وہ تو یہ بھی کہہ دیں گی کہ  
عید کی نماز بھی ابھی پڑھ لو سارے۔“

یہ بونگی آج سلطنت نے ماری تھی، اور سب کا ہنسی کے مارے بُرا حال  
ہو رہا تھا۔



اس ایک مہینے میں وہ کافی کمزور ہو گئی تھیں۔ پھر سے پر زیادہ جھرتیاں اُبھرائی تھیں رنگ بہت زرد لگ رہا تھا۔ مگر نورانی چہرہ اور بھی اثر انگیز ہو گیا تھا، ان کے ہاتھوں میں لوزش تھی۔ کوئی آسمانی مخلوق لگ رہی تھیں وہ۔ یوں ہاتھ اٹھائے بیٹھی تھیں، ادب سب نے ان کی تقلید میں ہاتھ اٹھا رکھے تھے۔

کیا شے ہیں یہ بڑی ماں؟

فاطمہ دعا میں کچھ نہیں مانگ رہی تھی، بس انہی کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ ایسی بلند ایسی اونکھی مخلوق اس نے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔

لوگ اس طرح کیسے بن جاتے ہیں؟

کتنے مجاہدے۔

اور کتنی کڑی منزلیں طے کرنے کے بعد؟

بڑی ماں نے آمین کہہ کر جب منہ پر ہاتھ پھیرا تو وہ چونکی۔

اس نے تو کچھ بھی نہیں مانگا تھا۔

نگاہ ادھر کی تو دیکھا، اسجد مسلسل اسی کی جانب دیکھ رہا تھا۔ شاید اس کی خیریت یا اس کی بوکھلاہٹ دیکھ رہا تھا، یا پوچھ رہا تھا۔ اس مرادوں کی گھڑی میں تم نے کیا مانگا ہے؟

کچھ بھی نہیں۔

اس نے دل میں کہا۔

دہری ایک رات تھی مانگنے والی اسجد اس کے بعد مجھ سے کچھ مانگا ہی نہیں گیا۔

بڑی ماں نے کھنکار کر گلا صاف کیا تو سب ان کی طرف متوجہ ہوئے، پہلے

تو انہوں نے سب لوگوں کے خلوص اور محبت کا شکر یہ ادا کیا، پھر انہیں ہمیشہ خوش

رہنے کی دعا دی۔

جب سب لوگ روزہ کھول کر مغرب کی نماز پڑھ چکے، اور عید کے چاند کا اعلان ہو گیا، تو بڑی ماں اپنے کمرے سے برآمد ہوئیں۔

واہ کیا شاندار لگ رہی تھیں۔

باروں اور پھولوں میں لدی، لوگوں نے جی بھر کر باران کے گلے میں ڈالے۔

ساتھ ملنے تخت بچھا کر اس پر ایرانی قالین ڈالا گیا تھا۔ یہ بڑی ماں کے بیٹھنے کی جگہ تھی۔

بڑی ماں نے حسب معمول سب کو باری باری گلے لگایا اور دعائیں دیں، پھر کہیں ہانپتی کانپتی جا کر اس تخت پر بیٹھ گئیں۔

ایک تو روزوں کی نقاہت، اس پر عبادت کا زور، ان میں کھڑے ہونے کی طاقت بھی نہ تھی۔ مگر لوگوں نے بل بل کر انہیں تھکا دیا تھا، کہ ان کے منہ سے بات بھی نہیں نکل رہی تھی۔

کچھ منٹ وہ تخت پر خاموش بیٹھی رہیں۔ پھر انہوں نے مجمعے کی طرف دیکھا، ادب

دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔ ان کے ساتھ ہی سب لوگوں نے ہاتھ اٹھائے۔

دعا کے دوران بھی فاطمہ لگا تار بڑی ماں کے چہرے کی طرف دیکھتی رہی۔



بڑی ماں نے تھوڑی دیر تو قف کیا، شاید تھک گئی تھیں۔ سب لوگ بیٹھے ان کا چہرہ دیکھتے رہے، اور وہ سر جھکا تے آنکھیں بند سے خاموش بیٹھی رہیں۔ دم لے کر انہوں نے پھر کہنا شروع کیا۔

کچھ عرصہ پہلے اسجد اور فاطمہ کا نکاح ہو گیا تھا، مگر میں نے رخصتی اس لئے نہیں کی تھی، کہ میں فاطمہ میں کچھ تبدیلیاں دیکھنا چاہتی تھی۔ اس عرصے میں فاطمہ نے ثابت کر دیا ہے کہ وہ انتہائی نیک، نوج، نیک نفس اور شریف بچی ہے۔ فاطمہ کے بارے میں میں نے جو کچھ دیکھا اور جانا ہے، وہ آپ لوگوں کو شاید نہ بتا سکوں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو بہت سی باتوں سے سرفراز فرمایا ہے۔ میں اکثر پریشان رہا کرتی تھی کہ میرے بعد اس گھر کا جانشین کون ہوگا۔

مخمل پر سنا اچھا گیا۔  
”مجھے امید ہے میرے بعد فاطمہ اس گھر کو بالکل اسی طرح چلائے گی۔ جس طرح کہ میں چلاتی رہی ہوں۔“

اور سب لوگ اس کا اس طرح احترام کریں گے جس طرح میرا احترام کرتے ہیں۔ رفتہ رفتہ انہیں معلوم ہو جائے گا کہ میرا انتخاب غلط نہیں تھا۔  
مخمل تا حال سناٹے میں تھی۔

انہوں نے چابیوں کا ایک گچھا نکالا اور فاطمہ کے ہاتھ میں پکڑا دیا۔ تم آج سے اس گھر کی مالک ہو فاطمہ۔  
فاطمہ کے ہاتھ ٹھنڈے پڑ گئے تھے، چابیوں کا گچھا اس کے ہاتھ سے نکل کر تخت پر گر گیا تھا۔

کیا وہ اپنے ہوش و حواس میں ہے۔ اس کو تو اس بات کا یقین بھی نہیں آ رہا تھا۔

پھر آہستہ آہستہ بولیں:

”آج اگرچہ مجھ میں زیادہ بولنے کی ہمت نہیں ہے۔ مگر کچھ ضروری اور اہم اعلانات میرے سپرد کئے گئے ہیں، اور وہ میں آپ لوگوں کے گوش گزار کرنا چاہتی ہوں۔“ انہوں نے پہلے اسجد کی طرف اور پھر فاطمہ کی طرف دیکھا اور بولیں:

”تم دونوں میاں بیوی میرے پاس آ کر بیٹھ جاؤ۔“  
اسجد تو بھاگ کر چلا گیا، مگر فاطمہ شرماتی ہوئی اٹھی اور گھبراتی ہوئی جا کر تخت پر اسجد کے پاس بیٹھ گئی۔ سب لوگ ان دونوں کو دیکھ رہے تھے اور مارے شرم کے وہ بوکھلائی جا رہی تھی۔  
بڑی ماں نے کہا۔

”سب سے پہلے تو میں آپ لوگوں کو ایک خوشخبری سناتی ہوں۔ میرا بیٹا احد جو سوئیڈن چلا گیا تھا۔ اس کا خط آیا ہے کہ وہ اگلے مہینے پاکستان آ رہا ہے اور ایک مہینے کے اندر رانڈ اُفتی کے ساتھ شادی کر کے اس کو ساتھ لے جاتے گا۔ چنانچہ آج میں احد اور اُفتی کی منگنی کا پھر سے اعلان کرتی ہوں۔“  
اُفتی۔؛ فاطمہ نے چونک کر اُفتی کی طرف دیکھا۔

”سب لوگ مارے خوشی کے تالیاں بجانے لگے۔ اُفتی نے سر جھکا لیا اور اس کی حیران آنکھوں سے جھنجھر نیر بننے لگے۔

”دوسرا یہ کہ آج ہی میں شفق اور بلال کی منگنی کا بھی اعلان کرتی ہوں۔ انشا اللہ یہ دونوں شادیاں ایک ساتھ ہوں گی۔“

لوگوں نے پھر تالیاں بجاہیں شفق نے سر جھکا لیا۔ کوئی کچھ محسوس نہ کر سکا مگر فاطمہ کو ایسے لگا جیسے آج بھی شفق انتہائی خلوص سے اپنے آنسو پینے کی کوشش کر رہی ہے۔



شدتِ احساس سے فاطمہ رونے لگی، حتیٰ کہ اس کی چیخیں نکل گئیں۔

دونوں ہاتھ اپنے پہلو پر رکھے، بس وہ یہی کہے جا رہی تھی۔

اللہ میاں جی!

اللہ میاں جی!

اللہ میاں جی!

اس طرح بلک بلک کر دتی کہ اسجد گھبر گیا، اور دیکھنے والوں کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

بڑی ماں خوب سمجھ رہی تھیں کہ اس وقت اس پر کونسی کیفیت طاری ہے اس لئے

انہوں نے اسجد سے کہا کہ اسے اٹھا کر اوپر اپنے کمرے میں لے جائے۔

اسجد کو بھی اور کچھ نہ سوچا۔ روتی ہوئی نیم بے ہوش فاطمہ کو اس نے دونوں

بازوؤں میں اٹھایا اور اوپر کی طرف چلا گیا۔

اللہ میاں جی!

اللہ میاں جی!

فاطمہ کے ہونٹ اب بھی ہل رہے تھے، گو اس کی چیخیں بند ہو گئی تھیں۔

تھرکتے ہوئے خوبصورت ہونٹ، لرزتی ہوئی سیاہ پلکیں، بھیک بھیکا تمام تر چہرہ

اور ایک گرم نرم وجود جس کے اندر پیار بھرا دل دھڑک رہا تھا اس کے ہاتھوں میں کتنا بے اعزازہ تھا۔

اسجد زینہ زینہ اور پر چڑھنے لگا۔

زینہ زینہ اور پر چڑھنے لگا۔

کتنی بار اس کا دل چاہا کہ ان نیم فاسکتے ہونٹوں کے پٹ بند کر دے۔

مگر

اللہ میاں جی کی تسبیح اتنا واضح ارتعاش ان لبوں پر پیدا کر رہی تھی کہ وہ گستاخی

کی جرأت نہ کر سکا۔

بڑی ماں نے پھر کہنا شروع کیا۔

”میں اگلے مہینے حج پر چلی جاؤں گی، جانے کب لوٹوں؟ کچھ نہیں کہا جاسکتا میں

اپنی تمام تر ذمہ داریاں فاطمہ کو سونپے جاتی ہوں۔

اور آج ہی باقاعدہ فاطمہ کی رخصتی کا اعلان کرتی ہوں۔ آج سے وہ اسجد کی بہری

کے طور پر اس گھر میں رہ سکتی ہے۔ ویسے ان دونوں کو اختیار ہے، جہاں چاہیں جائیں،

جہاں چاہیں رہیں، مگر فاطمہ جب بھی پاکستان واپس آئے گی، اس گھر کی مالک ہوگی“

اُف خدا.... فاطمہ کو اختلاج سا ہونے لگا، ریشمی کپڑوں میں اس کا دم گھٹنے لگا۔

یہ.... یہ.... سب کیا تھا؟

خداؤں نظر آتا ہے، اس طرح۔

گاہ بجمید می مرد

گاہ بزور می کشد

کبھی کسی طرح اپنا جلوہ دکھاتا ہے، اور کبھی کسی رنگ میں، سمجھیں؟ جیسے کسی

نے اس کے کان میں کہا۔

یکایک ایک روشنی اس کے پہلو میں چمکی اور اس پر گورہ کی وہی کیفیت طاری

ہو گئی۔

بس.... بس.... اس نے اپنے پہلو کو دونوں ہاتھوں سے دبایا بس....

میں نے بہت دیکھا تیری قدرت کا جلوہ.....

بہت دیکھا.....

بہت دیا تو نے میری بساط سے بڑھ کر۔

جان گئی میں تجھ کو، پاگئی میں تجھ کو۔

اب میرے ظرف کو نہ آزما۔